۱۹۷۶
۳
اکتوبر، نومبر

ماھنامہ

حیاتِ نو

شیخ الازہر امام اکبر ڈاکٹر عبدالحلیم محمود مرحوم تحریک اسلامی ہند اور اس کے ذمہ داروں سے گہری عقیدت رکھتے تھے تحریک کی دینی وعلمی سرگرمیوں اور اس کی خدمات حسنہ کا آپ کو اعتراف تھا چنانچہ جب ایمرجنسی میں تحریک اسلامی ہند کو خلاف قانون قرار دیدیا گیا اور اسکے ارکان نظربند کردیے گئے تو آپ نے ندوہ کے تعلیمی جشن میں احتجاجی کلمات کہے اور تحریک اسلامی کے بحال کرنے اور اس کے افراد کو رہا کرنے کی آواز بلند کی۔

(اندرون مضمون "رخ بدل گیا انقلاب جس نے وقت کی پرواز کا" ملاحظہ فرمائیے)

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڈھ (یوپی)

ماہنامہ

حیاتِ نو

جلد: ۱ | ذیقعدہ و ذی الحجہ ۱۳۹۸ھ مطابق اکتوبر و نومبر ۱۹۷۸ء | شمارہ ۱۰ تا ۱۱

اپنی باتیں	ادارہ	۳
درس قرآن	جبرئیل امین سعیدی فلاحی	۶
صبح آگہی	ابوصالح عبدالحی فلاحی	۹
قارئین جامعہ کے نام	سکریٹری انجمن	۱۲
ایک اہم ملاقات	ہفت روزہ مجتمع کویت	۱۷
رخ بدل ڈالا تھا جس نے وقت کی پرواز کا	جاوید اشرف فلاحی	۲۰
غزل	شاہد فلاحی	۲۳
نمود صبح	عبید اللہ فلاحی	۲۴
جامعہ کی خبریں	ادارہ	۲۹
تاثرات	قارئین حیات نو	۳۰

قیمت فی شمارہ: ایک روپیہ = ۱/-

سالانہ زر تعاون: [illegible] روپیہ = ۱۵

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڈھ

انجمن طلبۂ قدیم کے اغراض و مقاصد

(۱) فارغین جامعہ کو مقاصدِ جامعہ کے حصول کیلئے منظم کرنا۔

(۲) ان کی صلاحیتوں کو ان مقاصد کے لئے زیادہ سے زیادہ موثر مفید بنانے کی تدابیر اختیار کرنا۔

(۳) جامعہ کی تعمیر و ترقی میں ذمہ داران جامعہ کے ساتھ تعاون کرنا۔

(۴) مقاصدِ جامعہ کے حصول کے لئے دیگر دینی تعلیمی اداروں سے ربط رکھنا اور ان کا تعاون حاصل کرنے کی کوشش کرنا

تشریح دفعہ نمبر (۲):۔ (۱) میں مقاصدِ جامعہ سے مراد دستور جامعۃ الفلاح کی دفعہ ۳ کے مذکور اغراض و مقاصد ہیں جو حسب ذیل ہیں:۔

(۱) ایسے افراد تیار کرنا:۔

ا۔ جو قرآن و سنت کا گہرا علم اور صحیح دینی بصیرت رکھتے ہوں۔

ب۔ جن کی نظر وقت کے اہم مسائل پر بھی ہو اور جو غیر اسلامی نظریات سے بخوبی واقف ہوں۔

ج۔ جو اسلامی اخلاق و کردار کے حامل ہوں۔

د۔ جن میں احیائے دین اور اعلائے کلمۃ اللہ کا صحیح جذبہ ہو۔

ہ۔ جو گروہی، جماعتی اور فقہی اختلافات سے بالاتر ہو کر وسعتِ قلب و نظر کے ساتھ معاشرے کی اصلاح و تعمیر کا فریضہ انجام دے سکیں۔

(۲) ایسا نصابِ تعلیم زیر عمل لانا جس میں دینی اور دنیوی تعلیم کا بہترین امتزاج ہو۔

(دستور انجمن طلبۂ قدیم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اپنی باتیں

حیات نو کا یہ شمارہ زیر ترتیب ہی تھا کہ اچانک ہم ایک عظیم سانحہ سے دوچار ہوئے۔ عالم اسلام کی مایۂ ناز شخصیت ڈاکٹر عبد الحلیم محمود اپنے رب سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ کل من علیها فان ویبقی وجه ربك ذو الجلال والاكرام ۔

شیخ ازہر ڈاکٹر عبد الحلیم محمود کی وفات پر آج سارا عالم اسلام سوگوار ہے۔ کوئی شخص ایسا نہیں جو تڑپ نہ گیا ہو، کوئی آنکھ ایسی نہیں جو اشکبار نہ ہوئی ہو، اور ایسا کیوں نہ ہو کہ ایسی نادر روزگار ہستیاں بے شمار گردشوں، بے پناہ تمناؤں اور بے انتہا آرزوؤں کے بعد سامنے آتی ہیں۔ بے ساختہ دعائیں کیوں نہ نکلیں کہ عالم اسلام کی نگاہیں ان کی طرف اٹھی ہوئی تھیں، وہ اتحاد اسلامی کے لیے پیہم جدوجہد اور سراپا اضطراب تھے۔ ان کی وفات عالم اسلام کیلئے جانکاہ حادثہ ہے، کہ الحاد و دہریت کے طوفان میں انھوں نے حق کی شمع روشن رکھنے کی کوشش کی تھی، دین و مذہب سے دور، روحانیت سے برگشتہ اور اخلاق سے تہی دامن لوگوں کو انھوں نے پیام اسلام سے روشناس کرایا اور پیاسی انسانیت کو آب زلال سے سیراب کرنے کی سعی کی تھی۔

ندوۃ العلوم کے پچاسی سالہ جشن تعلیمی میں ڈاکٹر مرحوم کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ اب تک ہمارے کانوں میں گونج رہے ہیں۔

”جہاں تک مغربی تہذیب کا تعلق ہے ہمیں چاہیے کہ صنعت و حرفت اور سائنس و ٹکنالوجی کے میدان میں نہ صرف مغرب کے دوش بدوش چلیں بلکہ اس سے آگے نکل جائیں۔ لیکن تہذیب و تمدن کے معاملے میں آداب انسانی کے لیے اپنا حق قرآن و سنت کی قائم کی ہوئی بنیادوں کو مد نظر رکھتے ہوئے انکے خطوط سے سر مو تجاوز نہ کرنا چاہیے۔“

ہند و مصر کے گہرے روابط کا اظہار کرتے ہوئے شیخ مرحوم نے بڑی مسرت کے ساتھ فرمایا تھا۔

”مجھے یاد دلاتے ہوئے بڑی مسرت ہو رہی ہے کہ ابھی کوئی دو ماہ قبل اس سال حفظ قرآن کریم کا ایک مقابلہ جامعہ میں ہوا جس کا ایک اعلیٰ انعام حاصل کرنے والا ایک ہندوستانی طالب علم بھی تھا جس کا فوٹو میرے ساتھ ہے جس میں وزیر اعظم مصر اسے انعام دے رہے ہیں مجھے یاد آیا ہے کہ اس نے ایک اور بڑا انعام بھی حاصل کیا اور وہ یہ کہ حکومت کی طرف سے اسے حج کیلئے سفر حرمین کی آمد و رفت اور وہاں کے قیام کا ٹکٹ پیش کیا گیا۔“

قارئین حیات نو کے سامنے یہ بات رہنی چاہئے کہ یہ طالب علم حافظ محمد عرفان ندوی تھے جو رامپور کے رہنے والے ہیں اور آج کل ازہر ہی میں زیر تعلیم ہیں۔ ڈاکٹر مرحوم نے اتحاد و تعاون پر زور دیتے ہوئے فرمایا۔

• مسلمان اپنے روایتی تعاون و محبت میں ایک جسم کی حیثیت رکھتے ہیں کہ اگر ان کے جسم کے ایک حصے کو تکلیف ہے تو سارا جسم کرب سے بے چین ہو جائے گا۔ ان کی نیند حرام ہو جائے گی اور ان کی ہمیشہ بستر پر ہوگی ہم آپ کے ماضی، حال و مستقبل پر نہ ملنے میں آپ کے ساتھ ہیں۔ خدا سے دعا ہے کہ ہم ہمیشہ آپ کے حسن ظن پر پورے اتریں"۔

ڈاکٹر موصوف کی شدید ترین تمنا بلکہ ان کی ساری کوششوں کا محور غلبۂ دین و اسلام تھا۔ وہ اس سرزمین کو اسلامی تعلیمات کی خوشبوؤں سے معطر کر دینا چاہتے تھے۔ ان کی شدید ترین خواہش تھی کہ مسلمانوں کی عظمت و شوکت جسے بحال ہو اور نہ صرف عربی قوم بلکہ پوری امت مسلمہ عزت و حشمت سے ہمکنار ہو کر سارے عالمی و بین الاقوامی مسائل کے حل و مرکز قرار پائے۔

اپنی اسی دیرینہ آرزو کی تکمیل کیلئے ہی وہ تقاضائے اسلامی کیلئے سر دھڑ کی بازی لگائے ہوئے تھے۔ لیکن خدا کی مشیت میں کسے دخل ہے ؎

جس کی تابانی سے لرزاں ظلمت باطل ہوئی
آہ! وہ شمع فروزاں بزم میں خاموش ہے

ڈاکٹر مرحوم کی موت پر صف ماتم نہیں بچھاتا ہے بلکہ اس سوال پر غور کرتا ہے کہ ڈاکٹر موصوف کی کس صفت نے عالم اسلام کو ان کا گرویدہ بنا دیا تھا، کیا راز تھا کہ سب نے ان کی موت پر گہرے درد و غم کا اظہار کیا اور کیا وجہ تھی کہ پوری ملت نے ان کا سوگ منایا ——؟

اگر ہمیں ڈاکٹر مرحوم کی موت پر غم ہے تو ان کے مرنے سے جو خلا پیدا ہو گیا ہے اسے پر کرنے کی فکر بھی ہمیں کو کرنی ہے اور یہ خلا اسی طرح پُر ہو سکتا ہے کہ ہم ان کی زندگی کا بغور مطالعہ کرکے یہ راہ انھوں نے اپنے لئے تجویز کی تھی وہی راہ ہم بھی اپنے لئے تجویز کریں۔

شیعیت سنیت

۵ اکتوبر [illegible] کو شہر [illegible] حیوانیت و بہیمیت کا جو خونیں ڈرامہ کھیلا گیا [illegible] میں آ چکی ہے انسانی خون سے کس طرح [illegible] کیسے تباہ کیا گیا عفت و عصمت کی [illegible] ان سب کی تفصیلات میں جانا [illegible] ہمارے قلم میں طاقت نہیں کہ اس روح فرسا حادثہ کو نقل کر سکے۔ [illegible] مسلم قوم سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ [illegible] ان کا مقصد حیات کیا ہے۔ دنیا کی ہدایت [illegible] کن کے کندھوں پر ڈالی گئی ہے [illegible] کے القاب سے کیوں خطاب کیا گیا ہے۔ کیا [illegible] نہیں کہ وہ باہمی منافرت دور کرکے [illegible] کی کوشش کریں تاکہ اشاعت اسلام کے تقاضے [illegible] کیا یہاں کے غیر مسلموں میں [illegible] اسلام کی [illegible] دعوت نہیں دیتا ہے اخلاق و کردار کا [illegible] اسلام کی صحیح تصویر انھیں نہیں پیش کرتا ہے؟

اگر اس کا جواب اثبات میں ہے تو پھر وحشت و بربریت [illegible] کب تک ہم [illegible] قابل التفات سمجھتے رہیں گے؟ آپس میں محبت [illegible] ہم آہنگی پیدا کرنے کے بجائے باہمی منافرت [illegible] تعصبات کو ہوا دیتے رہیں گے؟؟

یہ ایمان کی حالت ہے کہ [illegible] صفوں میں اتحاد نہیں ہم دین و مذہب سے کافی دور اور اسلامی تعلیمات سے یکسر نا آشنا ہیں جس کے نتیجے میں ساری پستیاں ہمارے حصہ میں آ رہی ہیں ورنہ اگر ہم اسلام پر عمل پیرا ہوتے دین کی قولی و عملی شہادت دے رہے ہوتے تو سارا ہندوستان کیا ساری دنیا ہماری بات [illegible]

یہ اپنی تنگ ظرفی ہے کہ ہم خود بھی نہیں اچھے
زمانہ اچھا ہو جاتا اگر کوشش ذرا کرتے

ماہ نومبر ہی میں وہ عظیم الشان تاریخ آنے والی ہے جس روز سیدنا حنیف ابراہیم نے اپنے آقا کے اشارے پر اپنے چہیتے اور معصوم بیٹے کو ذبح کرنے کے لئے آستینیں چڑھالی تھیں اور اپنی آخری متاع اس کی راہ میں لٹا کر خلیل اللہ کا لقب حاصل کر لیا تھا۔ ہمیں اس وقت تھوڑی دیر ٹھہر کر اپنا محاسبہ کرنا چاہئے کہ ہم لوگ کس قدر مناسبت رکھتے ہیں؟ ابراہیم کی بے نیازیاں، جذبۂ انسانی کیلئے بے چین اضطراب اور راہ عشق میں ان کی عظیم الشان قربانیاں ہمارے لئے کچھ عبرت کا سامان فراہم کرتی ہیں ہمارے عزم وارادے اور ذوق عمل کو مہمیز کرتی ہیں یا ہم اپنی بدبختی کی وجہ سے اس دن کو صرف کھیل تفریح اور ذوق کا ذریعہ سمجھ لینے پر اکتفا کر لیتے ہیں اور بے روح خوشیوں کے کچھ مظاہرے کر لیتے ہیں۔

ہمیں افسوس کے ساتھ یہ اعلان کرنا پڑ رہا ہے کہ یہ شمارہ اکتوبر و نومبر دونوں مہینوں کا ہے اسے ہم نے اس لئے کیا ہے تاکہ ہم رسالہ کی اشاعت پر کنٹرول پا سکیں اور آئندہ سے وقت پر آپ کو رسالہ ملتا رہے امید ہے کہ جامعہ کے قارئین اس بار گراں کو برداشت کر لیں گے (ادارہ)

. . . .

عید اضحیٰ

محمد عارف فلاحی

یادگار خلیل ہے اضحیٰ
اک بہار جمیل ہے اضحیٰ
حق کی راہوں میں جان دینے کی
روح پرور دلیل ہے اضحیٰ

اسلام کی پیاس

مرسلہ: عبدالرحمٰن خالد فلاحی

کمیونسٹ ممالک میں بھی

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی فرماتے ہیں:

کچھ عرصہ ہوا مجھے ماسکو سے لومبا یونیورسٹی سے ایک طالب علم کا خط موصول ہوا جس میں اس نے لکھا تھا کہ اس یونیورسٹی کے بیشتر طلبہ ملحد ہیں اور میرے ساتھ ہر وقت ہستی باری کے خلاف بحث کرتے رہتے ہیں۔ وہ انکار خدا کے حق میں ایسی ایسی دلیلیں لاتے ہیں کہ میں پریشان ہو جاتا ہوں لہٰذا آپ مجھے کچھ ایسی کتابیں بھجوا دیجئے جن میں وجود باری پر مسکت دلائل موجود ہوں تاکہ میں اپنے الحاد پسند ساتھیوں کے منہ بند کر سکوں۔

پہلے میں حیران ہوا کہ ایسا خط روس سے یہاں کیسے پہونچ گیا پھر میں نے سوچا کہ خط آ گیا ہے تو اس کے جواب میں کتابیں بھیج دینا چاہئیں۔ چنانچہ میں نے اس طالب علم کو چند کتابیں بھیج دیں۔ کچھ روز گزر جانے کے بعد اسی طالب علم کا مجھے ایک اور خط ملا جس میں اس نے کتابیں موصول ہونے پر بڑی مسرت کا اظہار کیا تھا۔ اس نے لکھا تھا کہ آپ نے مجھے ایسی چیزیں بھیج دی ہیں کہ اب نہ صرف میں منکرین خدا کے ہر حملہ کا بخوبی مقابلہ کر سکتا ہوں بلکہ میں نے اپنی جوابی حملوں سے ان کا ناطقہ بری طرح بند کر دیا ہے۔ (ماخوذ از ہفت روزہ ایشیا لاہور ۲۹ فروری [illegible])

بقیہ صفحہ ۱۴

س :- آپ کے مستقبل کی آرزوئیں ؟

ج :- ہماری سب سے بڑی آرزو [illegible] یہ ہے کہ ترکی قوم حقیقی اسلام کی طرف پلٹے اور میں سمجھتا ہوں کہ اب [illegible]

[illegible]

محمد یحییٰ امین سعیدی فلاحی

درس قرآن

فساد فی الارض

قرآن کے آئینے میں

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ○ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

ادعوا ربکم تضرعاً وخفیۃً انہ لا یحب المعتدین ○ ولا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحھا وادعوہ خوفاً وطمعاً ان رحمت اللہ قریب من المحسنین ○

ترجمہ: اپنے رب کو پکارو گڑگڑاتے ہوئے اور چپکے چپکے، بے شک وہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور ملک میں اس کی اصلاح کے بعد فساد برپا نہ کرو اور اسی کو پکارو امید و بیم دونوں حالتوں میں، بے شک اللہ کی رحمت نیکوکاروں سے قریب ہے۔

ہم مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ عزوجل نے ہمیں پیدا کیا، اور پیدا کرنے کے بعد آزاد و بے قید نہیں چھوڑ دیا بلکہ زندگی بسر کرنے کے لئے کچھ فطری اصول و ضوابط دیئے جس کے مطابق زندگی گزار کر ہم اس عظیم و جلیل مقصد کو حاصل کر سکیں جس کے لئے ہماری تخلیق عمل میں آئی ہے۔

اگر کہیں ہم نے اپنی زندگی خدا کے عطا کردہ اصول و قوانین کے مطابق نہ بسر کی تو یقین جانئے خدائے رب حکیم کا ملائکہ کے علی الرغم آدم کی تخلیق کرنا حضرت آدم کے نتیجے میں ابلیس لعین کا خدا کی بارگاہ سے دھتکار دیا جانا اور ہم خاکیوں کو خلافت جیسی عظیم نعمت اور جلیل منصب کا دیا جانا بے معنی سی چیز ہوگی حالانکہ یہ تینوں حالتیں عظیم حکمت و مصلحت کے تحت رونما ہوئی ہیں۔

اگر ہم انسانی زندگی کا استقصاء کریں تو یہ حقیقت آشکارا ہوگی کہ اللہ رب العزت نے انسانی زندگی کو دو حصوں میں تقسیم فرمایا ہے۔

(۱) جسمانی زندگی (۲) تجربی زندگی

ان دونوں کی دوسری قسم روحانی زندگی اور اختیاری زندگی بھی ہے۔

خداوند کریم نے جسمانی زندگی برقرار رکھنے کے لئے مختلف غذائیں فراہم کیں اس کی افزائش اور صحت و تندرستی کے لئے ہر طرح کی سہولتیں بہم پہنچائیں جو صاحب نظر سے پوشیدہ نہیں ہیں۔

رہی روحانی زندگی تو اس کی بقا کے لئے اللہ نے اپنے انبیاء کے ذریعہ احکام و فرامین، اصول و قوانین مختلف ادوار میں مختلف طور سے نازل فرمائے جو ہدایت کی شکل میں انسانوں تک پہونچتے رہے اور وہ ہدایت دراصل خدا کی کلی اطاعت اور رسول کی خالص ہدایت اور اتباعِ نبی، ناتوانی اور بے کسی و بے چارگی کو محسوس کر کے خدا کا بے پایاں شکر ادا کرنے اور اپنے کو مکمل خدائے رب رحیم کے حوالہ کر دینے اور اس کے بتائے ہوئے ضابطۂ حیات پر عمل کرنے پر مشتمل ہے۔

زمانہ شاہد ہے کہ اس دنیائے فانی میں شروع ہی سے دو طاقتیں سرگرم عمل ہیں۔

۱۔ شیطانی طاقت

۲ ایمانی طاقت

اللہ عزوجل ان دونوں طاقتوں کے میدان کار کو مدنظر رکھتے ہوئے انسانی زندگی کو چار حصوں میں تقسیم کر کے ہر حصہ زندگی کے لئے دائرۂ کار متعین فرما دیا ہے اور ہر حصہ سے متعلق احکام صادر کر دیئے ہیں فرمایا کہ جسمانی زندگی تکوینی زندگی کا جز ہے اور روحانی زندگی اختیاری زندگی کا جز ہے جسمانی یا تکوینی زندگی پر تمہارا کچھ اختیار نہیں اس زندگی کو ہمارے بنائے ہوئے قانونِ فطرت کے مطابق بسر کرنی ہوگی۔

رہی روحانی زندگی یا اختیاری زندگی تو اس میں تم کو مکمل اختیار حاصل ہے تمہیں اس زندگی کو شیطانی طاقت اور ایمانی طاقت کے درمیان گذارنی ہے۔ شیطانی راستہ اور رحمانی راستے میں سے کسی ایک راستے پر چلنا ہے۔ ان دونوں راستوں میں سے جس کو چاہو اختیار کر لو۔ چاہو تو نیک، اچھی اور صاف ستھری زندگی گذارو۔ چاہو خراب، گندی اور بری زندگی بسر کرو۔ بہر صورت ان دونوں راہوں میں سے ایک کا انتخاب اور اس کی تمیز عقل انسانی پر منحصر ہے لیکن یاد رکھو اگر ہماری رضا و خوشنودی مقصود ہے تو لامحالہ رحمانی رستہ پر چلنا ہوگا اور ہماری ناراضگی اور غضب شیطانی راہ کے اپنانے میں ہے

اب آیئے ذرا ٹھہر کر جسمانی (تکوینی)۔۔۔ زندگی کو سمجھتے چلیں:۔

٭ جسمانی زندگی وہ ہے جو انسان کے اعضاء و جوارح پر مشتمل ہے اس کی غذا مختلف قسم کے اناج اور غلہ اور سبزیاں وغیرہ ہیں۔

٭ روحانی زندگی وہ ہے جو انسان کے جذبات و احساسات اور اخلاقیات پر مشتمل ہے اس کی اصل غذا خدا کی رضا ہے اس کا حصول خدا کے عطا کردہ اصول و ضوابط پر عمل کرنے سے ہوتا ہے۔

٭ تکوینی زندگی وہ ہے جس میں انسان خدا کی اطاعت پر مجبور ہے مثلاً انسان ناک سے سانس لیتا ہے اب وہ ناک سے سانس لینے پر مجبور ہے اگر وہ یہ چاہے کہ کان سے سانس لے تو ایسا نہیں کر سکتا اسی طرح وہ کان سے سنتا ہے اگر وہ چاہے کہ ناک سے سنے تو ایسا کرنا ناممکن ہے کیوں کہ وہ اس سلسلہ میں خدا کی اطاعت پر مجبور ہے۔

٭ رہی اختیاری زندگی تو اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل و تمیز دے کر راہ شیطانی اور رحمانی کے درمیان چھوڑ دیا۔ گویا ہوا۔ لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی فمن یکفر بالطاغوت ویؤمن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقی لا انفصام لھا۔

ترجمہ:۔ دین کے معاملہ میں کوئی جبر و زبردستی نہیں،

ہدایت گمراہی سے بالکل الگ ہو چکی ہے تو جس نے طاغوت
کا انکار کیا اور اللہ پر ایمان لے آیا تو اس نے ایک مضبوط
سہارا تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں اور اللہ سننے والا
اور جاننے والا ہے ۔

اختیاری زندگی حاصل ہونے کے بعد تم کو اختیار
ہے چاہو تو روحانی دین سے چمٹ جاؤ یا پھر شیطانی
دین کو گلے لگا لو اور یہ جان لو تم کو تمہارے فیصلے کے
مطابق جزا و سزا ملے گی اگر تم نے عقل و تمیز سے
کام لے کر حقانی دین اختیار کیا اور اس پر گامزن ہوئے
تو کامیاب و بامراد ہوگے اور اگر دنیا کے شیدائی
بن گئے اور اپنی منزل بس اسی دنیا کو سمجھ لیا اور عیش
و عشرت میں پڑ کر راہِ شیطانی کو اپنایا تو ناکام و
نامراد ہو گئے ۔

اب اسی کے لحاظ سے دو مختلف راستے اور دو
مختلف گروہ وجود میں آ گئے ۔

۱۔ جماعۃ المصلحین

۲۔ جماعۃ المفسدین

مفسدین فی الارض کے زمرہ میں وہ لوگ آئیں گے جو
نظامِ باطل کی حمایت اور حق کے مقابلے میں اس کو تقویت
پہونچاتے ہیں مثلاً سورۃ مومنون میں فرمایا گیا ہے ۔

ولو اتبع الحق اھواءھم لفسدت السموت
والارض ومن فیھن ۚ بل آتینٰھم بذکرھم
فھم عن ذکرھم معرضون ۚ مومنون

اور حق اگر ان کی خواہشات کے پیچھے چلتا تو زمین
اور آسمان اور ان کی ساری آبادی کا نظام بگڑ جاتا
نہیں ، بلکہ ہم ان کا اپنا ہی ذکر ان کے پاس لائے ہیں
اور وہ اپنے ذکر سے منہ موڑ رہے ہیں ۔

اس آیت شریف میں حق سے مراد وہ نظام حق
ہے جو نبی کے ذریعہ آیا ہے جو زندگی کے تمام شعبوں
میں خدا کی ہی اطاعت کا مطالبہ کرتا ہے اور اہواء سے
مراد مشرکانہ عقائد و رسوم ہیں ۔ فرمایا کہ اگر تمہارے
نظام پر چلا جائے گا تو زمین و آسمان کا پورا نظام بگڑ
جائے گا اس کائنات کے بڑے حصے میں خدا کی
اطاعت ہو رہی ہے اور تمہاری زندگی کا نظام اپنی
خود ساختہ نظریے کے مطابق ہوگا اس طرح زمین و
آسمان کا نظام درہم برہم ہو جائے گا کیونکہ یہ
واضح ہے کہ کسی ملک میں نہ دو بادشاہ ہو سکتے
ہیں اور نہ دو حاکم ۔ اگر دونوں اپنا اپنا دستور
ملک میں نافذ کرنا چاہیں تو ملک تباہی و بربادی کے
غار میں چلا جائے گا ۔

یہی بات ہے جو سورۃ انبیاء میں یوں کہی
گئی ہے ۔

لو کان فیھما آلھۃ الا اللہ لفسدتا ۚ
فسبحان اللہ رب العرش عما یصفون ۔ انبیاء ۲۲

اگر آسمان و زمین میں ایک خدا کے سوا اور
بھی خدا ہوتے تو (زمین و آسمان) کا نظام بگڑ جاتا
یعنی اگر ارض و سماء میں بہت سے حکمراں ہوں تو
دونوں برباد ہو جائیں گے جب ان کا نظام ٹھیک ٹھیک
سے نہیں چلے گا (نظام موجود میں ہم آہنگی نہیں ہوگی)
اور یہ بڑی حیرت کی بات ہوگی کہ انسان اپنی محدود
اختیاری زندگی میں کسی غیر کو حکمراں بنائے رہا ،
حالانکہ اپنی زندگی کے تکوینی حصہ میں وہ صرف خدا
کی مکمل اطاعت پر مجبور ہے ۔ تو یہ دو رنگی بات انسان
کی اپنی ذات کے لئے تباہ کن ہے ۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ۔

ولا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحھا بقیہ صفحہ ۲۲

ابوصالح عبدالحی فلاحی

(دوسری قسط)

صبح آگہی

تمام آیات قرآنی کا استیعاب تو نہیں کیا جا سکتا مگر بکثرت آیات واضح طور پر اس حقیقت کی آئینہ دار ہیں کہ یہ تمام کارخانہ قدرت ایک حی و قیوم ہستی کے حکم و اشارہ پر چل رہا ہے تمام چیزیں اس کے آگے سر بسجود ہیں اس کے پاس ایک ایک ذرہ کا حساب موجود ہے تمام رازہائے انسانی سے وہ واقف ہے اور اس سے جدا ہو کر کوئی شے باقی نہیں رہ سکتی۔ قرآن کی رو سے ہمیں ذات الٰہی کے بارے میں یہ علم حاصل ہوتا ہے کہ وہ جبر اور مقابلہ کا کوئی فارمولا نہیں ہے۔ کوئی اندھا بہرا ضابطہ نہیں ہے وہ مجرد تخیل و تصور نہیں ہے بلکہ ایک کامل وجود ہے۔ ایک علیم و خبیر باشعور اور زندہ جاوید ہستی ہے جس کے ساتھ ہمارا ذہنی و قلبی ربط ہے۔ انسان خواہ عروج و ارتقا کے کتنے ہی مراحل طے کر لے، اسباب و علل کی کتنی ہی گرہ بندیاں کرے اور خواہ اپنی بے نیازی کا بھی ڈھونگ رچائے مگر اپنے چھوٹے سے چھوٹے معاملات سے لیکر بڑے سے بڑے مسائل تک وہ ہر قدم پر اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے، ہر موڑ پر اسے ہدایت ربانی کی ضرورت پڑے گی۔ یہ ربط اور یہ تعلق نہایت ہی گہرا ہے۔ یہاں تک کہ انسان اس تعلق کو ختم کرنا بھی چاہے تو ختم نہیں کر سکتا۔ انسان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ربط بڑا ہی حیرت انگیز اور فکر و احساس کا حسین امتزاج ہے۔ ———

حضرت ابراہیمؑ نے نہایت دلکش انداز میں بیان فرمایا ہے :۔

قال افرأیتم ما کنتم تعبدون. انتم و آباؤکم الاقدمون فانھم عدو لی الا رب العالمین. الذی خلقنی فھو یھدین والذی ھو یطعمنی و یسقین. واذا مرضت فھو یشفین. و الذی یمیتنی ثم یحیین. والذی اطمع ان یغفرلی خطیئتی یوم الدین. رب ھب لی حکما والحقنی بالصالحین۔

(الشعراء ۷۷ - ۸۳)

غور فرمایئے کہ درد و شوق کے یہ چشمے کن گہرائیوں سے ابل رہے ہیں اور یہ جذبات کس غیر منقطع تعلق کا نتیجہ ہیں دوسری جگہ پر اللہ تعالیٰ نے انسان سے اپنے تعلق کو ایک دوسرے انداز میں بیان فرمایا ہے :۔

ولقد خلقنا الانسان و نعلم ما توسوس بہ نفسہ و نحن اقرب الیہ من حبل الورید (ق ۱۶)

یہی نہیں بلکہ وہ ایک نہایت ہی حساس اور نکتہ رس ہستی ہے جب انسان اپنی تمام تدبیروں سے تھک کر اسے پکارتا ہے تو وہ اس کی پکار کو سنتا ہے ہر طرف سے مایوس ہو کر اس کے آگے دست سوال دراز کرتا ہے تو وہ اسے دیتا ہے ہر سمت سے مضطرب ہو کر پریشان، ہراساں و شکستہ دل ہو کر اس کی طرف رخ کرتا ہے تو وہ اس اضطراب کو اطمینان میں، اس کی پریشانی کو سکون سے اس کی ہراسانی کو حوصلہ و ہمت سے بدل دیتا ہے اور اس کی دلجوئی کرتا ہے۔ نہ صرف یہ کہ ہمارا رزق فراہم کرتا ہے اور ہمیں پانی پلاتا ہے۔ بلکہ ہمارے پوشیدہ احساسات سے بھی واقف ہے

ہمارے ذہنی جذبات، قلبی واردات کی خبر رکھتا ہے۔ اور جب ہم اس کی طرف لپکتے ہیں تو اپنی حکمتِ بالغہ اور بصیرت کاملہ کے ذریعے ہمارے لئے کوئی فیصلہ فرماتا ہے۔ وہ انسان کو مخاطب کرتا ہے

أمن يجيب المضطر إذا دعاه ويكشف السوء

(النمل)

پھر وہ ہستی نوعِ انسان کی کتنی ہمدرد رہی ہوگی جو انسان کی فلاح و کامرانی کی کتنی خواہش مند اور اس کی رشد و ہدایت کیلئے، اسے اپنی نعمتوں سے نوازنے کیلئے کتنی بے قرار رہی ہے اسے کیا پرواہ تھی کہ ایک حقیر و ذلیل مخلوق کیلئے اتنے انتظامات کرتی۔ مگر ذرا غور کیجئے کہ وہ کس طرح اپنے بندے کو نوازنے کیلئے تیار ہے کس طرح اسے اپنی آغوشِ رحمت میں لے لینے کیلئے بے قرار ہے تو پھر کیا انسان اتنا بے نیاز ہے کہ اس کی طرف نہ لپکے اس موقعہ کو غنیمت نہ سمجھے کسی اور جوڑ توڑ میں لگا رہے بلکہ اس ہستی کی طرف سے برابر ندا آرہی ہے۔

قال ربكم ادعوني أستجب لكم إن الذين يستكبرون عن عبادتي سيدخلون جهنم داخرين

نہ صرف یہ کہ اس کی طرف نہ لپکنے والا اس کی نعمت سے محروم ہوگا بلکہ اس سے بڑھ کر ابدی و دائمی عذابِ جہنم کا بھی سامنا اسے کرنا ہوگا لیکن انسان کا یہ انجام اس کے نزدیک کوئی پسندیدہ نہیں اسے خود بھی انسان کے اس انجام پر افسوس ہے مگر اس کے قوانین و ضوابط میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ انسان کو اس عذاب سے بچانے اور رشد و ہدایت کی راہ بتانے کیلئے وہ بار بار اپنے نبی کی طرف سے یہ اعلان کرا رہا ہے۔

وإذا سألك عبادي عني فإني قريب أجيب دعوة الداع إذا دعان فليستجيبوا لي وليؤمنوا بي لعلهم يرشدون ط

اس کے علاوہ قرآن مجید میں جو دعائیں موجود ہیں اور احادیث نبوی میں بھی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مناجات منقول ہیں ان پر غور کیجئے۔ وہاں یہ بات کھل کر واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ انسان صرف اللہ کے در پہ جبیں سائی کرنے والا ہے۔ اسی کی آستان کا سوالی، اسی کے دربار کا گدا، اسی کی توجہ کا محتاج اور اسی کی عطا و بخشش کا امیدوار ہے وہ شہنشاہِ کونین ہے اور یہ فقیر بے نوا وہ مالک ہے اور یہ محتاج۔ مگر جب انسان اپنا دامنِ سوال پھیلاتا ہے تو وہ کسی مجبور و بےکس کے سامنے نہیں پھیلاتا بلکہ وہ جانتا ہے کہ وہ ایک عظیم ہستی کے آگے سوال کر رہا ہے جب وہ بے چین ہو کر پکار اٹھتا ہے تو وہ نہیں سمجھتا کہ وہ کسی غیر موجود شے کو پکار رہا ہے بلکہ وہ جانتا ہے کہ وہ اپنے مالکِ حقیقی کو پکار رہا ہے جو قادر [illegible] ہے جس کے خزانے بے حد و حساب ہیں جس کی نعمتیں بے شمار ہیں [illegible] مالکِ حقیقی [illegible] پکار سنتا ہے اس کے حق میں [illegible] دیتا ہے [illegible] سمجھتا ہے تو گویا [illegible] قرب و رضا اور خوب [illegible] حاصل ہے اور جب دیتا ہے تو [illegible] انسان کی [illegible] وسائط سے بڑھ کر دے دیتا ہے [illegible] اس کی رحمت و شفقت کا [illegible] وصل کی گرہ [illegible] کا نتیجہ [illegible]

ان دعاؤں پر غور کیجئے [illegible] وحدت و عبودیت کی شدت ہی نہیں بلکہ ان جذبوں [illegible] سے پیدا ہونے والی [illegible] و خیال [illegible] عاجز و ناچار بنا دیتی ہے۔ [illegible] انکساری اور بے کسی و بے بسی کا احساس پیدا کر دیتی ہے اور بندہ کس اضطراب کے ساتھ اپنے رب کی طرف رجوع کرتا ہے کس تڑپ کے ساتھ اس کی طرف لپکتا ہے۔

ربنا ظلمنا أنفسنا وإن لم تغفر لنا وترحمنا لنكونن من الخاسرين۔

ربنا تقبل منا إنك أنت السميع العليم وتب علينا

انک انت التواب الرحیم

ربنا آتنا ما وعدتنا علیٰ رسلک ولا تخزنا یوم

القیامۃ انک لا تخلف المیعاد

بندے کی عاجزی و انکساری اور رب کی بزرگی و برتری کا کتنا حسین و دلکش نقشہ ہے۔ بندہ عاجز و قاصر اپنے مولائے قادر کے سامنے دست طلب دراز کر رہا ہے۔ گڑگڑا رہا ہے اس کے اندر اضطراب ہے جو شہنشاہ کونین کی التفات و توجہ کا محتاج ہے۔ بندہ سر بسجود ہے کہ وہی اس کا حقیقی معبود ہے۔ بندہ اپنی خواہشات و ضروریات کی ایک فہرست لے کر کھڑا ہے اس کے علاوہ دنیا میں کوئی اس کا حاجت روا نہیں اور اس کے دربار سے کوئی سوالی مایوس و محروم نہیں لوٹتا

پھر احادیث میں منقول دعاؤں پر غور کیجیے کس قدر عجز و نیاز، کس قدر تقویٰ و خشیت اور کس قدر اعتماد و توکل کی جھلک ہے ان میں۔ مانگنے والا اگرچہ اپنے آپ کو بالکل حقیر اور پست سمجھ رہا ہے مگر ذرا یہ اندازہ لگائیے کہ اس کے دل کی گہرائیوں میں اپنے پروردگار اور اپنے مولا سے کیسی عقیدت ہے۔

رب اعنی ولا تعن علی وانصرنی ولا تنصر علی وامکر لی ولا تمکر علی واہدنی ویسر الہدیٰ لی وانصرنی علی من بغی علی رب اجعلنی لک شکارا لک ذکارا لک رہابا لک مطیعا الیک اواہا منیبا رب تقبل توبتی واغسل حوبتی واجب دعوتی واہد قلبی وسدد لسانی وثبت حجتی واسلل

اللھم انی اعوذ برضاک من سخطک و بمعافاتک من عقوبتک واعوذ بک منک لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک

اللہ تعالیٰ کی جس قوت کاملہ اور قوت قاہرہ کا ذکر اوپر کیا گیا ہے اس [illegible] سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ انسان اس دنیا میں مجبور محض ہے۔ بلاشبہ انسان کی فطرت اپنے اندر جبر و قہر کا بھی ایک پہلو ضرور رکھتی ہے مگر اس کے دوسرے پہلو کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ جبر کے ساتھ اسے یک گونہ اختیار بھی حاصل ہے۔ اگر یہ آزادی و اختیار اسے حاصل نہ ہو تو اس کا شرف انسانیت باقی نہیں رہتا۔ اس آزادی ہی کی بنا پر اس کے اندر کمالات اخلاق رونما ہوتے ہیں اگر وہ آزاد و با اختیار نہ ہوتا تو پھر خلیفۃ الارض کیوں ہوتا وہ اشرف المخلوقات کیوں ہوتا۔ اور عدم اختیار کی بنا پر تو حیوان و انسان میں کوئی فرق نہ رہ جاتا۔ البتہ اس کا یہ اختیار اور اس کی یہ آزادی ایک محدود پیمانہ پر ہے تاکہ افراط و تفریط تجاوز کا رخ نہ اختیار کر سکے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان ربط و تعلق کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مسلمان اپنے آپ کو تمام کاموں سے آزاد سمجھ کر ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جائیں اور اس انتظار میں پڑے رہیں کہ

ع مردے از غیب بروں آید و کارے بکند

بلکہ انسان کو اپنی تمام جد و جہد اور کوششوں کے بعد بھی مشیت ایزدی کا انتظار کرنا چاہیے کیونکہ انسان کی کل کوششیں اور تدبیریں کسی کام کے ایک ہی پہلو کی حیثیت رکھتی ہیں جب تک اس کا دوسرا پہلو بھی موجود نہ ہو وہ کام کیونکر مکمل ہو سکتا ہے اور وہ دوسرا پہلو مشیت الٰہی ہے۔ بات یقیناً کم فہمی کی ہوگی کہ ہم اپنے تمام کاموں میں اسباب و علل کا سلسلہ چند کڑیوں میں تلاش کرتے رہیں مگر اس علت العلل اور مسبب الاسباب ہستی کی طرف رجوع کرنا جو اپنی حکمت بالغہ کے ذریعہ ہماری جد و جہد کو ناکام بنا دیتی ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کا وہ کامل تصور جو زندگی کے قرآن ہمارے علم میں لاتا ہے۔ اور انسان کی اس دنیا میں وہی حیثیت ہے جو قرآن نے جبر و اختیار کے مابین بتلائی ہے اس سلسلہ میں افراط کی ترجیح ہوگی نہ تفریط

مگر ایک طرف قرآن کے اس بیان کو سامنے رکھیے اور دوسری

بقیہ صفحہ

فارغینِ جامعہ کے نام

برادران محترم و مکرم

سلام مسنون

اس سرکلر کے ذریعے آپ حضرات کی توجہ مندرجہ ذیل امور کی جانب مبذول کرانا چاہتا ہوں۔

۱۔ مرکز احباب جامعہ سے جو چیزیں بھی آپ حضرات کو روانہ کی جائیں ان کا جواب دینا آپ کا اخلاقی و دستوری فریضہ ہے۔ خصوصیت سے حیات نو کے سلسلے اپنے مشورے اور مفید تجویزیں ضرور ارسال کرتے رہیں۔

۲۔ حیات نو کے تسلسل کو برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ آپ حضرات اپنا بھرپور تعاون پیش فرمائیں اس سلسلے میں صاحب قلم حضرات سے بطور خصوصی گزارش ہے کہ اپنے مضامین غزلیں وغیرہ برابر روانہ کرتے رہیں۔

۳۔ کسی بھی تحریک یا انجمن کیلئے مستقل مالیات اس کی ریڑھ کی ہڈی ہوا کرتی ہے۔ مگر بڑے افسوس کے ساتھ عرض کرنا پڑتا ہے کہ اس طرف سے آپ حضرات بالکل بے فکر ہیں ابھی تک مسلسل کوشش کے باوجود چند حضرات ہی ممبری فیس روانہ کر سکے ہیں جبکہ پہلا سال اسی ماہ ذی الحجہ پر ختم ہو رہا ہے لہٰذا جن حضرات نے ابھی ممبری فیس ادا نہیں کی ہے وہ جلد فہرست میں فیس کی پہلی قسط /25 روانہ کریں اور جو حضرات پہلی قسط روانہ کر چکے ہیں اب وہ آنے والے سال ۱۳۹۹ھ کے لئے سالانہ فیس /25 روانہ کرنے کی زحمت فرمائیں۔

۴۔ حیات نو کی توسیع اشاعت میں بھرپور حصہ لیجئے اور زیادہ سے زیادہ خریدار بنانے کی کوشش کیجئے۔

اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو بخیر و عافیت رکھے

والسلام

افتخار احمد فاروقی سکریٹری انجمن طلبہ قدیم

۲۰/۱۱/۹۹ھ

طرف ہم مسلمانوں کی توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں ـــــ مسلمانوں کی بڑی عظیم تعداد کے اندر اکثر و بیشتر ذہن ایسے پائے جاتے ہیں جن کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی ذات ایک ایسی ذات ہے جس کا نظام عالم سے کوئی تعلق نہیں اور ہماری مشکلات میں سے اسے سروکار ہے۔ ایک عظیم تعداد روزانہ پنج وقتہ نمازوں میں کئی مرتبہ یہ پڑھتے دہراتی ہے۔

الحمد للہ رب العالمین الرحمن الرحیم مالک
یوم الدین ایاک نعبد و ایاک نستعین ۵

مگر یہ اقرار صرف زبان کی حد تک رہتا ہے۔ زبان سے بلعم عملی دنیا میں اس کا نشان نہیں ملتا۔ ہم اللہ تعالیٰ کو رب العالمین ماننے کا تقاضہ پورا کرتے نظر آتے ہیں اور نہ ہی حقیقی وسیلہ قدرت و ملوکیت اسی کی طرف پلٹتے ہیں۔ روزانہ ہم اس کے معین و مستعان ہونے کا اقرار کرتے ہیں مگر کتنی مرتبہ اس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ہمارے نزدیک تو یہ عالم اسباب ہے جس کی رو سے ہمارا فریضہ ہے کہ اپنی تمام تر کوششیں اسباب و ذرائع کی فراہمی میں صرف کر دیں۔ اس کے بعد جو نتائج نکلیں اگر کامیابی ہو تو اسے اپنی جدوجہد اور حسن تدبیر کی تعریف کریں اور اگر ناکامی ہو تو اسے اسباب و علل کی کمی پر محمول کریں۔ لیکن اس کا سرا بھی کچھ اس طرح الجھا ہوا ہے کہ کوئی بزرگوں کا نقش اور عقل کی نارسائی کہہ کر خاموش ہو جاتے ہیں۔ مگر کبھی اس جانب کیطرف رجوع نہ کریں جس کے فیصلے اور جس کی مشیت ہماری تمام تر تدابیر کی تکمیل اور ہماری تدابیر کی کامیابی میں دخل رکھتی ہے۔ ہم یہ کبھی نہیں کہہ سکتے کہ بہترین ذرائع اور وسائل کا حصول کرنا اور اسباب و ذرائع فراہم کرنا اور کامیاب سے کامیاب تر تدابیر اختیار کرنا انسان کیلئے روا نہیں اور ان سے اس کو روکنا مقصود ہے بلکہ یہ چیزیں بھی ضروری ہیں اور اسباب و علل کی تلاش کرنا چاہئے مگر جو چیز مرتبہ انسانی سے زیادہ تر ہے وہ اس کے لئے معذ اور ضابطہ ہے اور جسے ہم تقدیر کہتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ بالخصوص ہے

مسلمانوں کا یہی اسباب میں محو رہنا ہے۔ ہمارے نزدیک جس طرح ان تمام اشیاء کی فراہمی اور ان کا حصول ضروری ہے اسی طرح انابت و رجوع الی اللہ اور توکل علی اللہ بھی لازمی تھی ہے اس رجوع و انابت کو پس پشت ڈال کر اور خدا سے بے نیاز ہو کر جو نفس امر کا تاریک پہلو ہے، کبھی بھی حقیقی کامیابی نہیں حاصل کی جا سکتی۔

اس ایک اور مرحلہ ہے۔ ہمیں اپنے زوال و انحطاط کا شکوہ ہے اپنی ذلت و پستی کا رونا ہے اپنوں اور بیگانوں کے نزدیک بے وقعتی کی شکایت ہے ترقیاتی میدان میں کوتاہ قدمی کا گلہ ہے اور ہر طرف سے بڑھتے ہوئے سیلاب اور چڑھ دوڑنے والے طوفان کا احساس بھی ہے اور اس احساس کے ساتھ اس حالت کو ختم کرنے کے اقدامات بھی ہو رہے ہیں۔ اپنے بیدار ہونے کی کوششیں بھی ہم کرتے ہیں۔ اپنے آپ کو ہر میدان میں پیش بھی کرتے ہیں اپنی ترقی اور فلاح و بہبود کے حصول کیلئے اپنی تمام تر جدوجہد بھی کرتے ہیں مگر سوال یہ ہے کہ ان تمام کوششوں کا کوئی ثمرہ بھی برآمد ہوا؟ اس چیخ و پکار کا کوئی جواب بھی ملا؟ اس دوڑ دھوپ کا کوئی نتیجہ بھی نکلا؟

ہمیں ایمان باللہ کا دعویٰ تو ضرور ہے مگر اس سے بڑھ کر بدبختی اور کیا ہو سکتی ہے کہ ہماری تمام جدوجہد، تمام اقوال و افعال اسی دعویٰ کے برخلاف ہیں۔ ہماری تمام قوتیں مادی وسائل و ذرائع کی فراہمی میں صرف ہو جاتی ہیں۔ تمام مسائل سر گرداں مادی کی تلاش و جستجو میں کھپ جاتی ہیں مگر اس طرف خیال تک نہیں جاتا کہ وہ ہستی جس نے یہ وسائل و ذرائع پیدا کئے ہیں جس نے اسباب و علل کے یہ رشتے قائم کئے ہیں جس نے تمام اشیاء کو باہم مربوط و منضبط کیا ہے اس نے کامیابی اور ناکامی کے کچھ اخلاقی اصول بھی بیان کئے ہیں۔ اس نے عروج اور زوال کے کچھ پیمانے بھی بنائے ہیں۔ ہمارے مسائل خواہ کسی صنف سے تعلق رکھتے ہوں اور وہ زندگی کے کسی بھی شعبہ سے متعلق ہوں:

ہر راہ میں انہی اصولوں کی رہنمائی کی ضرورت پیش آئے گی۔

مثال کے طور پر ہمیں معاش کا مسئلہ درپیش ہے۔ اس بحران میں ہم کیا کچھ تدابیر اختیار کرتے ہیں اور اس مسئلہ کی شدت کو حل کرنے کیلئے ہم کیسے کیسے وسائل اپناتے ہیں یہ ہم خوب جانتے ہیں۔ اگر کبھی قحط و خشک سالی کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو سب سے پہلے ہم اس کے مادی وجوہ تلاش کرتے ہیں۔ یہ سمجھتے ہیں کہ اراضی میں کیا نقص تھا کہ پیداوار میں نقصان پیدا ہوا، کیا کیا کمزوریاں تھیں جو اس قحط کا سبب بنیں۔ مگر یہ ادراک نہیں کیا جاتا کہ وہ ذات اقدس جس نے انسان کو سننے کیلئے کان، احساس کیلئے قوت حس، سوچنے اور جستجو کرنے کیلئے دماغ دیئے، وہی تو اعضاء کی کارکردگی سے واقف ہے جس نے انسان کو پیدا کیا، اسے ہر طرح کی نعمتوں سے نوازا ہے اگر آج ان نعمتوں میں کمی پیدا ہوتی ہے تو وہ اس کمی اور نقصان کے وجوہ حقیقی سے واقف ہوگا، وہی تو کرم ہے جس نے ان نعمتوں سے نوازا تھا۔ انسان کی کیسی بدبختی ہے کہ ان تو وہ ان بخشی ہوئی نعمتوں سے تا عمر داد انتخاب اخذ کر کے ایک طویل مدت حیات بسر کرتا ہے۔ مگر اسے اس کا احساس نہیں ہوتا کہ اس کا منعم و محسن کون، اس کا خالق و مالک کون ہے، پھر جب ان نعمتوں میں کوئی کمی ہو جاتی ہے تب بھی اسے استفسار نہیں ہوتا اور اس کے اسباب معلوم کرنے کے لئے بھی وہ مادی اور بے جان چیزوں کی طرف ہی رجوع کرتا ہے وہ یہ نہیں سوچتا کہ یہ عالم اسباب کچھ اخلاقی اصولوں پر رواں دواں ہے وہ یہ جاننے کی کوشش نہیں کرتا کہ یہ قلت و کثرت، دولت و غربت اور بدحالی و فراوانی کسی اخلاقی ضابطہ کا نتیجہ ہیں۔ یہ ضابطے انسان کے خود ساختہ مادی دنیا کی ضابطوں کی طرح بے جان و بے حس اور اس کے ذہن و دماغ کے تراشیدہ منصوبوں کی طرح ناقص نہیں ہیں۔ یہ جہان آباد محض اسباب و علل کا مبہم و پیچیدہ طلسم نہیں ہے بلکہ ایک علیم و خبیر، باشعور اور قاہر و مدبر ہستی ہے جو کچھ زندہ و پائندہ اصولوں کے ذریعے اس عالم کی تدبیر کر رہی ہے جس کی نگرانی اور ضابطہ بندی میں کوئی دوسری چیز دخل نہیں رکھتی اور انسان کی تمام کوششوں کی ناکامی و کامیابی میں اس کی مشیت کو پورا پورا دخل حاصل ہے رزق کی قلت و کثرت اور تنگی و فراوانی کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

ومن اعرض عن ذکری فان لہ معیشۃ ضنکا و نحشرہ یوم القیامۃ اعمیٰ (طٰہٰ ۱۲۴)

واذ تاذن ربکم لئن شکرتم لازیدنکم و لئن کفرتم ان عذابی لشدید ۔

ایک بستی کی ہلاکت کے بارے میں بیان کرتے ہوئے بتایا گیا کہ اس کی تباہی کا سبب اہل قریہ کی تکذیب اور کفران نعمت کے سوا کچھ نہ تھا۔

ولو ان اھل القریٰ آمنوا واتقوا لفتحنا علیھم برکات من السماء والارض ولکن کذبوا فاخذناھم بما کانوا یکسبون (الاعراف ۹۶)

ولو انھم اقاموا التوراۃ والانجیل وما انزل الیھم من ربھم لاکلوا من فوقھم ومن تحت ارجلھم (المائدہ ۶۶)

حضرت نوح نے بھی اپنی قوم کو اس حقیقت سے آشنا کرایا کہ تمہیں رزق و نعمت محض رب سے استغفار اور اس سے توبہ اور اسکی طرف رجوع سے ہی حاصل ہو سکتی ہے فرمایا:-

یا قوم استغفروا ربکم ثم توبوا الیہ یرسل السماء علیکم مدرارا ویزدکم قوۃ الیٰ قوتکم ولا تتولوا مجرمین (ھود ۵۲)

قرآن میں بار بار اس حقیقت کو دہرایا گیا ہے کہ

ان ربک یبسط الرزق لمن یشاء و یقدر انہ کان بعبادہ خبیرا بصیرا (بنی اسرائیل ۳۰)

یہ قرآنی آیات اس امر پر شاہد ہیں کہ قوموں کی تنگی و کشادگی، افلاس و خوشحالی کا دارومدار صرف اقتصادی زندگی ہی پر نہیں بلکہ اس زندگی میں بھی اخلاق پر مبنی ہے۔ ایک قوم کو اللہ تعالیٰ اپنی بیش بہا نعمتوں سے نوازتا ہے۔ اس پر خوب خوب اپنے فضل و کرم کی بارش فرماتا ہے۔ اگر وہ شکر اختیار کرتی ہے، اس کی طاعت و فرمانبرداری کا انتخاب کرتی اور اس کی طرف رجوع کرتی ہے تو وہ اسے اور بھی نوازتا ہے۔ لیکن اگر معاملہ اس کے برعکس ہوا اور کسی قوم نے رزق پاکر اپنا علمی و عقلی استحقاق جتانا شروع کر دیا، دولت میں محو ہو کر خدا سے انحراف کا راستہ اختیار کیا تو وہ سخت گرفت بھی کرتا ہے۔ یہ قحط و خشک سالی اور تنگی اسی کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ پھر اس تنگ حالی کا یہ لازمی طور لازم نہیں ہے کہ جب اسباب زراعت میں کمی پیدا ہو جائے یا مادی وسائل میں نقص ہو جائے تب ہی یہ صورت حال پیدا ہو۔ بلکہ اکثر اوقات آپ نے بعض ایسی قوموں کا بھی مشاہدہ کیا ہوگا جو اپنی تمام تر خوشحالی ہونے کے باوجود افلاس و مسکنت میں مبتلا رہتی ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ہم اپنے حدود ہی سے صرف ایک حد "رجوع الی اللہ" کو ہی خارج از بحث سمجھیں۔

ابھی اور بھی قابل غور پہلو ہے۔ ہم روزانہ ہی کئی مرتبہ یہ اقرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے یعنی وہ پوری کائنات کا خالق و پروردگار ہے۔ اسی نے پیدا کیا اور وہی روزی بھی دے رہا ہے۔ اگر ہمیں واقعی اس کے پالنہار ہونے اور اس کی ربوبیت پر ایمان ہے تو پھر ان مادی گتھیوں کے سلجھانے کا ہی پورا وقت صرف کر دینے کا کیا مطلب ہے۔ کیا آپ اس شخص کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت پر ایمان کا فیصلہ کرسکتے ہیں جو اپنی آسائش و خوشحالی کیلئے فیملی پلاننگ کو ذریعہ بناتا ہے۔ کیا اس شخص کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کی رزاقی پر یقین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب یہ صاف صاف فرما دیا ہے کہ

"ولا تقتلوا اولادکم خشیۃ املاق نحن نرزقھم و ایاکم ان قتلھم کان خطاً کبیراً"۔

پھر یہ دینی راہ روی اور مادہ پرستی کا ہی نتیجہ ہے کہ انسان اس حکم ربانی اور اس رزاق ہستی کی طرف سے کامل اطمینان دلا دینے کے باوجود بھی اپنی عقل و علم ناقص پر ناز کرے اور حکم ربانی کے علی الرغم ایک نارو اقدام کر بیٹھے۔

(بقیہ آئندہ)

مرسلہ عبید اللہ عزیز الپوری

اعترافِ صداقت

مسز اینی بیسنٹ (ایک عیسائی خاتون جس نے مذاہب عالم کا گہرا مطالعہ کیا) لکھتی ہیں

"جب متعصب نکتہ چیں اپنی ناواقفیت کی بنا پر اسلام پر حملے کرتے ہیں، تو مجھ کو انکی جہالت پر تعجب ہوتا ہے۔ چنانچہ اکثر مغربی نکتہ چیں اسلام پر اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام جبر کا حامی ہے اور مانع ترقی ہے اور علوم و فنون کا سرپرست نہیں ہے۔ یہ حملے بہ نظر اسلام کی تعلیم کے حقیقی نظر بالکل غیر حق بجانب ہیں کیونکہ اسلام میں نہ جبر ہے اور نہ اسلام ترقی کے راستے میں مانع ہے۔ اس کے برخلاف اسلامی دور حکومت میں علوم و فنون نے نمایاں ترقی کی ہے۔ یا تو تعصب کی بنا پر اسلام پر اس قسم کے حملے کیے جاتے ہیں یا اس نوعیت کے حملے کرنے والے اسلام سے قطعاً ناواقف ہیں۔"

(رسالہ دین و دنیا
بابت دسمبر ۱۹۵۲ء)

ترکی سلامت پارٹی کے جنرل سکریٹری اور غوث خان ترکی سے

ترجمانی:۔ عبید اللہ فہد فلاحی

ایک اہم ملاقات

اس اہم ملاقات کا تذکرہ کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ سلامت پارٹی منعقدہ ۱۹۷۳ء [illegible] کی ایک ہلکی سی جھلک قارئین حیات کے سامنے آجائے تاکہ وہ انٹرویو سے پوری طرح محظوظ ہو سکیں۔

سلامت پارٹی کی جملہ سرگرمیاں مندرجہ ذیل پانچ مقاصد کے حصول میں جاری ہیں:

۱۔ اندرون ملک امن و سلامتی کا قیام
۲۔ عوام کا حکومت سے براہ راست اشتراک و تعاون
۳۔ ترکی حکومت کی از سر نو تعمیر و تشکیل۔
۴۔ اخلاقی و روحانی بیداری
۵۔ مادی و صنعتی ارتقاء

سلامت پارٹی نے اپنے یوم تاسیس سے آج تک جتنے کام کئے، اس کی جس قسم کی سرگرمیاں رہیں اور اس کے جو افکار و خیالات عوام کے سامنے آئے ان سب کا مقصد درج بالا مقاصد کی حصول ہے۔ اس کی کچھ تفصیل پیش خدمت ہے۔

ترکی کے تمام بڑے ادارے غیر ملکیوں کے ہاتھوں چل رہے ہیں۔ حالانکہ وطن دوستی کا تقاضہ یہ ہے کہ ان کا انتظام ان کے حقدار ملکیوں کے ہاتھوں حوالے کر دیا جائے۔

قومی جمہوری پارٹی ۴ سال تک مسند پر رہی لیکن خارجی طاقتیں برابر اس کوشش میں رہیں کہ ترکی کو اس کے حقیقی اسلامی مقاصد و موقف سے ہٹا کر غیر اسلامی موقف پر لگا دیا جائے۔ تاکہ عوام وقتی دلچسپی کے خلفشار میں پڑے رہیں۔ حالانکہ عوام کو ان کے حقیقی محور اور فطرت الہیہ پر واپس لانا انتہائی ضروری ہے۔

لیکن ایساد، وسط اور اسی طرح کی دوسری اصطلاحات عالمی یہودیت کی ایجاد کردہ ہیں۔ اور اس کا مقصد وحید یہ ہے کہ ترکی عوام کو اسلامی کلچر و ثقافت اور روحانی تہذیب سے دور کر دیا جائے جو ایک ہزار سال پرانی ہے۔

سلامت پارٹی دیگر ان پارٹیوں جیسی ہرگز نہیں ہے جن کا مقصد کرسی اقتدار پر قابض ہونا اور اپنے عزیزوں اقربا کو [illegible] دینا ہوتا ہے۔ بلکہ یہ پورے خلوص کے ساتھ قوم کی خدمت کرنا چاہتی ہے اور اس کا حقیقی منشاء رضائے الٰہی کا حصول ہے۔

ترکی کے نظام تعلیم کی بنیاد الحاد و دہریت پر ہے۔ کیونکہ یہ یہودیوں اور بدمعاش صلیبیوں نے مل کر ترتیب دیا ہے جس میں اخلاق و روحانی قدروں کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی ہے بلکہ اصل مقصد یہ رہا ہے کہ ترکی کو ان کے خدا پرست بالکل اسے دور اور دین سے برگشتہ کر دیا جائے تاکہ ترکی مسلمانوں کا ذہنی و فکری طور سے قتل عام کیا جاسکے۔ یہی وجہ ہے کہ ترکی مدارس، کالجز اور یونیورسٹیوں سے علماء و ماہرین فن کے بجائے رہزن، قاتل اور ہوس کے بندے کھیپ

کے عیب نکل رہے ہیں۔

جس وقت حکومت دینی تعلیم کو ممنوع قرار دے رہی تھی، رقص و سرود کی تربیت گاہوں اور فحاشی کے اداروں کی بہت افزائی کی جا رہی تھی نیز جوئے شراب پر کروڑوں روپیہ صرف کئے جا رہے تھے۔

یہ غلط اقتصادی سیاست ہی کا نتیجہ تھا کہ لاکھوں مزدور کام کی تلاش میں یورپ کا رخ کر رہے تھے جہاں انہیں فساد، تعلب اور ضیاع ایمان کا شکار ہونا پڑتا تھا۔ حالانکہ حکومت کی یہ اولین ذمہ داری تھی کہ وہ صنعتیں اور کارخانے قائم کرے جہاں انہیں محنت کرکے اپنی روزی روٹی کا سامان فراہم کر سکیں۔ پوری قوم کی محنت پیداوار پر صرف ہو سکے اور وہ ذلت و محکومی اور استعمار پسندوں کے جال کا شکار نہ ہوں۔

ترکی کیلئے بہت ضروری ہے کہ وہ یورپ کے مشترکہ بازار کا تحفظ کرے کیونکہ ان کا مقصد اولین درجے میں یہود اور دوسرے [illegible] صنعت کار کمپنیوں کی خدمت ہے تاکہ تیسری دنیا کو وہ [illegible] کا ذریعہ بنا کر اس کا خون چوستے رہیں۔

ترکی کا شریانی نظام بہت ہی ناقص ہے کیونکہ اس پر فاسد قوتوں کا غلبہ ہے۔ ضروری ہے کہ اسے بدل دیا جائے تاکہ قوم کے وسیع تر مفاد میں استعمال کیا جا سکے اور تہذیب و تمدن میں ارتقاء ہو سکے۔

بھاری صنعتوں اور جنگی کارخانوں پر ہی کسی قوم کی مادی زندگی کا انحصار ہے [illegible] اس لئے اس طرح کی صنعتوں اور کارخانوں کا قیام ترکی کیلئے بہت ضروری ہے۔

سلامت پارٹی نے اپنے قیام [illegible] کے ایک سال بعد ہی ہونے والے انتخابات میں ۴۰ سیٹیں حاصل کر لیں جبکہ حزب العدالت نے جس کو قائم ہوئے پندرہ سال ہو چکے ہیں ۱۴۹ سیٹیں حاصل کیں اور ترکی جمہوری پارٹی جو ملک کی سب سے پرانی پارٹی تھی ۱۸۵ سیٹوں سے کامیاب ہوئی۔

یہ نتائج ۱۹۷۳ء کے انتخابات کے ہیں۔ توقع تھی کہ ۱۹۷۷ء کے انتخابات میں سلامت پارٹی اکثریت سے کامیاب ہو جائے گی لیکن اسے صرف ۲۴ سیٹیں مل سکیں۔

اب اس مختصر تمہید کے بعد اصل انٹرویو پیش خدمت ہے جو کویت سے نکلنے والے ہفت روزہ جریدہ المجتمع نے سلامت پارٹی کے سیکرٹری جنرل جناب اوغوت [illegible] سے لیا۔

س: ۱۹۷۷ء کے الیکشن میں آپ توقع سے بہت کم سیٹیں حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکے۔ آخر اس ناکامی کی وجہ کیا تھی؟

ج: جب اپوزیشن پارٹی کو یہ یقین ہو گیا کہ سلامت پارٹی کی کامیابی ان کے ناجائز مفادات کو زبردست نقصان پہنچائے گی وہ ان کی غیر محدود طمع و حرص کو محدود کر دے گی اور ان کے جھوٹے پندار اور ناجائز اقتدار کی دھجیاں اڑا کر پاش پاش کر دے گی تو داخلی و خارجی تمام قوتیں اس کے خلاف متحد ہو گئیں۔ پھر چونکہ سلامت پارٹی عالم اسلام کی طرف زیادہ رجحان رکھتی ہے اور فلسطینی [illegible] حمایت اس کا موقف ہے۔ تحریک صیہونیت بھی [illegible] پا ہو گئی اور انہوں نے اپوزیشن کو ہر طرح سے طاقتور ہو جانے کی کوشش کی۔

اس الیکشن میں ہمارے ساتھ جو پہلی دھاندلی کی گئی وہ یہ کہ انتخابات کا چار ماہ پہلے ہی اعلان کر دیا گیا۔ اور اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ ہمارے وہ کارخانے پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکیں جو انتخابات سے پہلے [illegible] مکمل ہو جانے والے تھے۔

اپوزیشن پارٹیوں نے صحافیوں کو اور اخبار نویسوں کو خریدنا شروع کر دیا۔ اور ہمارے سلسلے میں غلط خبریں بے بنیاد الزامات اور ہماری صورت کو بگاڑ کر پیش کرنے کے عوض انھیں بھاری رقومات [illegible] نوازا جانے لگا۔

جب الیکشن کا وقت بالکل سر پر پہنچ گیا تو ان لوگوں نے ہمارے انتخابی پروپیگنڈے کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کرنے کی بہت کوششیں کیں۔ صورتحال یہ ہوتی تھی کہ جب ہمارا کوئی لیڈر پبلک میٹنگ میں تقریر کرنے کیلئے متعینہ جگہ پر پہنچنے کی کوشش کرتا ایک شہر سے دوسرے شہر تک جانے کی ضرورت پڑتی اور وہ ہوائی سفر کرنے کا ارادہ کرتا تاکہ تقریر وقت پر ہو سکے تو اسے جواب دیا جاتا کہ پرواز فل ہو چکی ہے۔ اور اس طرح [illegible] کی وجہ سے جب تاخیر ہو جاتی تو مخالفین عوام کو یہ کہہ کر گمراہ کرتے کہ ہم نے کہ سلامت پارٹی کے افراد وقت کے پابند نہیں ہوتے۔ پھر بعد میں معلوم ہوتا کہ پرواز تو پُر نہیں ہوئی۔ بلکہ یہی ان کا کام تھا کیا ایک غیر اخلاقی سازش تھی۔

بعد میں یہ بھی ثابت ہو گیا کہ اس الیکشن میں تقریباً تیس لاکھ انتخابی کارڈ جعلی استعمال کئے گئے۔ ترقی جمہوری پارٹی، عدالت پارٹی اور حرکت پارٹی کے افراد نے دو دو تین تین مرتبہ مختلف جگہوں سے ووٹ دیا، اور حرکت پارٹی نے تو بے شمار اس قسم کی جعلی سازیاں کیں۔ عرب اہل حرکت کے

زبردست [illegible] نے بڑی دھاندلیاں کیں یہی انہوں نے فورس کا استعمال کیا اور کبھی دھمکی دے کر ووٹ حاصل کئے۔ ترکی کے اکاونٹنگ انسپکٹر نے بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا کہ اس الیکشن میں ۳ کروڑ ۱۰ لاکھ ووٹنگ کارڈ استعمال کئے گئے جبکہ ووٹروں کی تعداد صرف ایک کروڑ [illegible] لاکھ ہے۔

سلامت پارٹی کے جنرل سکریٹری اوغوث خاں کا

اجمالی تعارف

- ترکی میں ۱۹۳۳ء میں پیدا ہوئے۔
- ۱۹۶۰ء میں یونیورسٹی سے سول انجینئرنگ میں ایم اے کیا
- ۱۹۶۳ء میں ترکی پارلیمنٹ کے ممبر منتخب ہوئے
- ۱۹۷۴ء میں ترقی جمہوری پارٹی اور سلامت پارٹی کے مشترکہ حکومت کے وزیر داخلہ ہوئے۔
- ۱۹۷۵ء میں دوسری حکومت جس میں چار پارٹیاں شامل تھیں کے دوبارہ وزیر داخلہ ہوئے۔
- ۱۹۷۷ء کے آخری انتخابات کے بعد تین پارٹیوں کے اشتراک سے جو حکومت قائم ہوئی تھی اس کے وزیر صنعت و ٹیکنالوجی بھی بنائے گئے۔
- سات سال سے سلامت پارٹی کے جنرل سکریٹری [illegible] صدر کے عہدہ پر بھی فائز رہ چکے ہیں۔

* * *

س: آپ کی سیاسی الجھن کی وجہ سے کالج اور یونیورسٹیوں میں قتل و غارت گری کے واقعات سننے میں آتے تو کیا اس میں سلامت پارٹی کا بھی کچھ حصہ ہے؟

ج: جی نہیں ہم نے اپنے نوجوان دوستوں کو قتل و غارتگری کے واقعات میں حصہ لینے سے سختی سے منع کر دیا ہے ہم نے کہا کہ یہ ہتھیار صرف دشمنان قوم ہی استعمال کرتے ہیں [illegible] ترکی قوم کو تباہ کرنے [illegible] میں کوئی محنت کرتے ہیں۔ ترکی قوم [illegible]

"ہم اپنے بچوں کو مغربی ملکوں اور یورپ میں اعلیٰ تعلیم کیلئے بھیجتے ہیں لیکن جب وہ واپس آتے ہیں تو ان کے ذہن میں بم اور ہتھیاروں کے نسخے ہوتے ہیں۔

ہمارے بچے کا تعلق [illegible] جاتی ہیں

کہ وہ اپنی اور اپنی امت کے مستقبل کو کن خطوط پر استوار کریں۔ لیکن وہ کسی بینک، کمپنی یا ادارے کو لوٹنے کے مرتکب بنادیے جاتے ہیں

ہمارے آباء و اجداد علم کا احترام کرتے تھے۔ اور انھیں اس لائق بناتے تھے کہ وہ ان کی اولاد کو تہذیب و شائستگی کا درس دے سکیں۔ لیکن آج طلبہ اساتذہ کو اسکول سے دور کرتے ہیں تاکہ ان کے درجات میں ارتقاء ہو۔

ان بیچارے عوام کا کیا قصور ہے؟ وہ بس اسٹیشنوں پر کھڑے رہتے ہیں اور مسلم طلبہ آتے ہیں اپنی مشین گنوں کا رخ ان کی طرف کر دیتے ہیں تاکہ بغیر کسی سبب کے خون کی ندیاں بہائیں۔"

اور ترکی قوم ان سوالات کا جواب خود ہی دیا کرتی ہے۔

"ہم خود ذمہ دار ہیں۔ ہم نے اپنے بچوں کی تربیت اخلاق کی بنیاد پر نہیں کی۔ ہم نے انھیں اللہ کے خوف سے روشناس نہ کیا بلکہ پولیس کی بندوق سے انھیں ڈراتے رہے۔"

اور ترکی قوم نے دیکھا کہ سلامت پارٹی کے نوجوان خونریزی سے کوسوں دور رہتے ہیں اور اخلاق فاضلہ سے متصف ہیں تو انھیں یقین ہو گیا کہ اس اندوہناک صورت حال سے چھٹکارا صرف اخوت اسلامی کے اپنانے سے مل سکتا ہے جس کی سلامت پارٹی دعوت دے رہی ہے۔

اس وجہ سے ہمارے نوجوانوں کا اولین شعار بہترین اخلاق کا مظاہرہ ہے۔ یہی اس کا نتیجہ ہے کہ ہمارے بہت سے دشمن اب ہمارے دوست بن کر ہماری صفوں میں کام کر رہے ہیں اور برملا کہتے ہیں کہ انسانیت کو ان شرمناک حادثات سے بچانے والا تمہارے سوا کوئی نہیں ہو سکتا

س: آپ حضرات صنعت سازی کی دعوت دیتے ہیں تاکہ قوم مغربی صنعتی پیداوار کی محتاج نہ رہ جائے اور خاص طور سے اسلحہ سازی کی، جسکی سپلائی مغرب کبھی روک دیتا ہے اور کبھی درست تعاون بڑھا دیتا ہے۔۔۔۔۔۔۔ تو اس سلسلے میں کتنی پیش رفت ہو سکی؟

ج: یہاں پر میں یہ اشارہ کر دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ میں صرف ترکی ہی کو نہیں بلکہ تمام عالم اسلام کو صنعت کاری کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ اور ہم نے عرب ملکوں کے اور مسلمانوں کے متعدد وزراء سے مختلف ملاقاتوں میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ ہم پیشتر سے یہ کہتے آرہے ہیں کہ ترکی میں جنگ برپا ہونے کی وجہ سے جب امریکہ نے ترکی کو ہتھیار سپلائی کرنا بند کر دیا تھا تو اس وقت ہم نے کیا کیا تھا؟ اور یہی صورت حال عربوں کو بھی پیش آئی۔ کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ انھیں کئی مرتبہ اسلحہ کی امداد سے محروم رکھا گیا تو کیا وہ بڑی طاقتوں کے رحم و کرم پر رہیں؟ واقعہ یہ ہے کہ ہمیں اس معاملہ میں اپنے اوپر اعتماد اور توکل ہونا چاہیے اور ہم جمہوریت کے لئے موٹریں بنانے میں کامیاب ہو چکے ہیں۔ اسی طرح دیگر الیکٹرونک میکانکی اور بھاری صنعتیں بھی ہم نے تیار کی ہیں۔ اس کے علاوہ سگریٹ، جواہر اور سیمنٹ فیکٹریاں بھی ہم نے قائم کی ہیں۔

حزب السلامت نے ہر شہر میں ایک کارخانہ قائم کرنے کی کوشش کی ہے اس وقت کارخانوں کی تعداد لگ بھگ دو سو ہے لیکن پروپیگنڈے ہمارے خلاف زوروں سے ہو رہے ہیں کہ کارخانوں کے قیام کیلئے ہماری کوششیں بے سود ثابت ہو رہی ہیں۔ ہم صرف ترکی قوم کا مذاق اڑانا چاہتے ہیں اور اس اعلان سے انھیں دھوکہ دینا چاہتے ہیں"

لیکن ترکی قوم نے اب اچھی طرح سمجھ لیا ہے کہ ہم اپنے اعلانات و بیانات میں بالکل سچے ہیں۔ اقتدار میں شریک ہونے کے بعد ہمارے منصوبے عمل کا جامہ پہن رہے ہیں اور جب ہم حکومت سے دور تھے تو اس قسم کا کوئی منصوبہ سامنے نہ آیا تھا۔ اس سے قوم نے یہ سمجھ لیا کہ ان کارخانوں کے قیام کے پیچھے حزب السلامت ہی کا ہاتھ ہے۔ اس طرح ہم نے عوامی تائید کافی حاصل کر لی ہے۔

بقیہ صفحہ

جاوید اشرف فلاحی

رخ بدل ڈالا تھا جس نے وقت کی پرواز کا

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ یہ دنیا فانی ہے اسے دوام نہیں۔ اس کی ہر چیز فنا ہو جانے والی اور مٹ جانے والی ہے۔ جو بھی [illegible] یہاں سے دیر سویر کوچ کرتا ہے۔ دنیا ایک سرائے ہے جس میں کسی کو ہمیشگی اور دوام نہیں۔ جو آیا ہے اسے جانا بھی پڑے گا۔ جس نے جنم لیا ہے اسے رخت سفر باندھنا ہے۔ پھر گردش [illegible] سفر پر رواں ہوتا ہے۔ لوگ آتے ہیں اور جاتے ہیں۔ آنے اور جانے والوں میں بڑے بڑے [illegible] اور [illegible] جاہ و حشمت لوگ بھی ہوتے ہیں۔ علم و حکمت اور دانش و بینش کے تاجدار بھی [illegible] تاریخ شاہد ہے کہ دنیا کی ابتدا سے لیکر آج تک ہر جاندار نے موت کا مزہ چکھا ہے اور کسی بھی شخص کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ دائمی حیات لے کر آیا ہے۔

اس اعتبار سے دانشمندی کا تقاضہ ہے کہ کسی کی آمد پر کوئی خاص خوشی ہو نہ کسی کی جدائی پر غیر معمولی غم ہے۔

علم و حکمت رہزنِ سامانِ اشک و آہ ہے
یعنی اک الماس کا ٹکڑا دلِ آگاہ ہے

لیکن ہمارا مشاہدہ گواہ ہے کہ بعض افراد کی جدائی کا سوگ عالمگیر پیمانے پر منایا جاتا ہے۔ جو سبب ہے کہ ایسا اس وجہ سے ہو کہ وہ اپنی امتیازی صفات اور دنیا کی خیر [illegible] کی بنا پر [illegible] لائق فخر [illegible] دلعزیز ہوں۔ لوگ ان کے اعلیٰ محاسن و محامد اور افضل خصائل سے [illegible] مستفید ہونے کی آرزو رکھتے ہوں لیکن جب قدرت کا اٹل فیصلہ اور مخصوص تقاضہ ان کی آرزو میں پوری نہیں کرتا اور دوسروں کی طرح ان کا محبوب بھی آہنی قدرت کی گرفت میں آ کر ان سے رخصت ہو جاتا ہے تو وہ جذبات سے مغلوب ہو کر ناقابل تبدیل دستور کو فراموش کر بیٹھتے ہیں۔ اور اس کیلئے سراپا سوگ بن جاتے ہیں۔

ایسے ہی انسانیت نواز، روشن ضمیر اور علم و معرفت امام اکبر ڈاکٹر عبدالحلیم محمود تھے جو ان چند مایہ روزگار ہستیوں میں سے ایک تھے جو قوم کو روز روز نہیں ملا کرتے بلکہ صدیوں کی دعاؤں سے پیدا ہوکر [illegible] اور [illegible] مسلسل صدیوں کے نتیجے میں منصہ شہود پر ہوتے ہیں۔ جو ملت کے سرمایہ افتخار ہوتے ہیں۔

آپ کا سانحہ ارتحال قاہرہ ریڈیو کے اعلان کے مطابق ۱۷ اکتوبر ۱۹۷۸ء کی صبح کو ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۰

اس خبر وحشت اثر نے مصر اور عالم اسلام ہی کو نہیں بلکہ پوری دنیا کو سوگوار اور مغموم کر دیا۔ جہاں بھی مسلمانوں کا وجود تھا اور وہ آپ سے آشنا تھے [illegible] یقیناً [illegible] کی بات اور کیا ہو گی کہ مسلمانوں کا ایک ہی خیر خواہ ملت کا ایک پاسبان اور اسلام کا شیدائی اٹھ گیا

چمن گیا۔ اور مصر ہی نہیں بلکہ پورے عالم اسلام کی تعلیمی، تہذیبی علمی و دینی اور ثقافتی سرگرمیاں اس سے متاثر ہوئیں۔

؎ یاد سے تیری دل درد آشنا معمور ہے
جیسے کعبے میں دعاؤں سے فضا معمور ہے

ڈاکٹر مرحوم ۱۲ مئی ۱۹۱۰ء کو مصر کے ایک دیہات میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم آپ نے اپنے گھر پر پائی۔ گاؤں کے ایک مکتب میں قرآن پاک حفظ کیا۔ اس کے بعد جامع ازہر میں داخل ہوئے۔ وہاں سے ۱۹۳۲ء میں عالمیت کی سند حاصل کی۔ تکمیل علوم کیلئے فرانس کا سفر کیا۔ پیرس کی سوربون یونیورسٹی میں علم النفس، علم الاجتماع اور تاریخ مذاہب کے موضوع پر تیاری کیلئے داخلہ لیا۔ اور ان تمام علوم کی ڈگریاں حاصل کیں۔ ۱۹۴۰ء میں آپ کو پی ایچ ڈی کی ڈگری دی گئی۔ ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد آپ مصر واپس چلے گئے۔ کچھ عرصہ تک آپ نفسیات کے استاد کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ ۱۹۵۱ء میں ازہر کے شریعت کالج میں پروفیسر ہوگئے۔ اس کے بعد آپ مستقل طور سے ازہر ہی سے منسلک ہوگئے۔ ازہر کے مختلف اعلیٰ عہدوں پر فائز رہ کر اپنی اعلیٰ صلاحیت اور بے لوث خدمت کے ذریعہ اپنی ذمہ داریوں سے بحسن و خوبی عہدہ برآ ہوتے رہے۔ تا آنکہ ۱۹۷۳ء میں آپ کو شیخ الازہر کا منصب عطا کیا گیا۔ تاحیات آپ اس منصب پر فائز رہے۔ اس مدت میں آپ نے جو کام انجام دیا اس میں سب سے زیادہ اہم ازہر کا وہ وقار اور اعتماد واپس لانا تھا جو کافی حد تک گر گیا تھا۔ ازہر کے معیار کو بلند کرنے اور اس کے سابقہ وقار کو ازسرِ نو بحال کرنے کے لئے آپ نے بڑی محنت اور جانفشانی سے کام لیا۔ ایک زمانہ وہ تھا جب کہ ازہر کے طلبہ کی تعداد کافی گھٹ گئی تھی اور باہر کے تشنگان علم کیلئے ازہر کے دروازے بند ہو گئے تھے لیکن آپ ہی کا عزم اور انتھک کوششوں سے ازہر کا

معیار دوبارہ سے بلند تر ہوگیا۔ طلبہ کافی تعداد میں آنے لگے اور ان کیلئے معقول مسائل بھی میسر ہونے لگے۔ دوسرے ممالک کے طلبہ قاہرہ یونیورسٹی کے مقابلہ میں جامع ازہر کو ترجیح دینے لگے۔

ڈاکٹر مرحوم نے اپنے تعلیمی اور تبلیغی مشن کی کامیابی کیلئے بہت سفر کئے۔ اسلامی ممالک کے علاوہ یورپ اور امریکہ کا بار بار دورہ کیا۔ اور وہ اپنے اس مشن میں کافی حد تک کامیاب بھی رہے۔ اپنے اس مشن کے سلسلے میں وہ ۱۹۷۴ء میں ہندوستان تشریف لائے تھے۔ دہلی، علیگڑھ اور دیوبند کا دورہ کیا تھا اور ہر جگہ اپنی فاضلانہ علمی وجاہت اور دینداری و خدا ترسی کا گہرا نقش چھوڑا۔ اور لوگ آپ کی شخصیت سے کافی متاثر ہوئے۔

آپ ۱۹۷۵ء میں دوبارہ ہندوستان اس وقت تشریف لائے جبکہ ہمارا ملک ہنگامی حالات سے گزر رہا تھا۔ ہر طرف ظلم و بربریت کا دور دورہ تھا۔ حق و راستی اور عدل و انصاف نے شرم سے اپنی گردنیں جھکالی تھیں۔ حکومت وقت نے زبان بند کر دی تھی۔ افکار و خیالات کے اظہار پر پابندی تھی۔ اسی وقت ندوہ اپنا پچاسی سالہ جشن منا رہا تھا اور اسی جشن میں آپ مدعو تھے۔

آپ نے ہندوستان کے اسلامی تعلیمی اور مذہبی اداروں کی ہمت افزائی کی۔ اور اصلاحی تعمیری نیز تبلیغی جماعتوں کو سراہا۔ اور ان کی خدمات جلیلہ کو مستقبل کے لئے امید افزا قرار دیا۔ وہ تحریک اسلامی ہند اور اس کے ذمہ داروں سے گہری عقیدت رکھتے تھے۔ تحریک کی دینی و ملی سرگرمیوں اور اس کی خدمات سے بخوبی واقف تھے چنانچہ جب ایمرجنسی میں جماعت اسلامی کو خلاف قانون قرار دے دیا گیا اور اس کے کارکنان گرفتار کر لئے گئے تو آپ نے ندوہ کے تعلیمی جشن میں اجمالی کلمات کہے اور تحریک اسلامی کو بحال کرنے اور اس کے ارکان کو رہا کرنے

کی آواز بلند کی۔ یہ ان کی دینی حمیت اور اسلامی اخوت ہی تھی کہ انہوں نے وزیر اعظم اور صدر جمہوریہ کی توجہ تحریک اسلامی کی طرف متوجہ کرانی چاہی اور ان کے فیصلے پر نظر ثانی کرنے کی درخواست کی۔

آپ نے ہندوستان کو تعلیمی میدان میں اس کی روز افزوں ترقی پر مبارکباد پیش کیا۔ اور اعتراف کیا کہ یہاں کے طلبا اکثر بیشتر بیرونی ممالک میں ہندوستان کے تعلیمی وقار کو بلند کرنے اور اس کی نیک نامی کا ذریعہ بنے رہے ہیں۔ وہیں آپ نے خصوصیت سے ہندوستانی نوجوان عالم حافظ محمد عرفان فلاحی کا ذکر کیا جنہوں نے ازہر یونیورسٹی کے ایک مقابلہ میں نمایاں کامیابی حاصل کی اور ان کو اول درجے کے انعام کا مستحق قرار دیا گیا تھا۔

ڈاکٹر مرحوم نے فکری اور علمی میدان میں بہت اہم رول ادا کیا ہے۔ آپ کے قلم سے بہت سی کتابیں نکل چکی ہیں جنہوں نے مصر ہی میں نہیں بلکہ تمام علمی مقامات پر عزت اور قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ بڑی بڑی لائبریریاں اور شاندار مکتبے موصوف کے ان رشحات کو اپنی الماریوں میں جگہ دے کر اپنا مقام بلند کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آپ کی قیمتی تصنیفات میں اسلام میں فلسفیانہ نقطۂ نظر، مستشرقین فلسفی، یورپ اور اسلام، قرآن، قرآن کے مجید میں اور [illegible] خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ آپ نے فرانسیسی زبان میں کچھ کتابوں کا ترجمہ بھی کیا ہے جیسے محمد رسول اللہ، اخلاقی مسئلے، یونانی فلسفہ وغیرہ۔

کئی اہم کتابوں کی تحقیق و اشاعت آپ کی فکری رہنمائی میں ہوئی۔ جنہیں علمی میدان میں اہم مقام حاصل ہے اور یہ کتابیں اسلامی علوم کا عظیم اور قیمتی سرمایہ ہیں۔

ڈاکٹر موصوف کے سانحۂ ارتحال پر آج ہر آنکھ نم دیدہ ہے، ہر دل مغموم ہے۔ اور ملت اسلامیہ کا ہر فرد خود کو پسماندگان میں محسوس کر رہا ہے۔ اب صورت حال یہ ہو چکی ہے کہ کون کسی کو صبر جمیل کی تلقین کرے کہ اسے قرار حاصل نہیں۔ کوئی کسی کو کیونکر سمجھائے کہ وہ خود سراپا اضطراب اور حسرت و غم کی تصویر بنا ہوا ہے۔

ادارہ "حیات نو" شیخ مرحوم کے انتقال پر مسلمان برگزیدہ پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی رضا سے نوازے ان کی مغفرت فرما کر انھیں اعلیٰ مراتب عطا کرے اور ہم پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق مرحمت فرمائے ؎

مثل ایوان سحر مرقد فروزاں ہو ترا
نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو ترا

★ ★

لطیف نکتہ

مرسلہ طیب حسین درجہ عربی چہارم

رابعہ بصری کی خدمت میں ایک شخص آتا ہے اور دنیا کی خوب برائی کرتا ہے۔

رابعہ بصری نے بتایا کہ اس کے دل میں دنیا کی محبت ہے۔

لوگوں نے پوچھا کہ وہ تو دنیا کی برائی کرتا ہے۔

آپ نے فرمایا مَنْ اَحَبَّ شَیْئاً اَکْثَرَ ذِکْرَہٗ (جو شخص کسی چیز سے محبت رکھتا ہے وہ اس کا زیادہ ذکر کرتا ہے)

اسی بات کو عرفی نے ان الفاظ میں نظم کیا ہے۔

گر راہ قناعت گیری و حسرت نکشی
زنقصان که به همت غرشد السعر

(ماخوذ سہ روزہ الجمعیۃ فروری ۱۹۸۹)

شاھدہ فدا حق

غزل

تو نے رسوائی کے ڈر سے کی بے رخی حوصلہ شرط ہے دوستی کیلئے
میں تو تھا منتظر گر اشارہ بھی ہو جان دے دوں ترے ہر خوشی کیلئے

غیر کے سامنے سر جھکے بھی تو کیوں وقف ہے جو تری بندگی کیلئے
اک نظر بھی جو میری طرف ہو سکے اتنی کافی ہے بس زندگی کیلئے

میرے نزدیک پینا ہے وہ معتبر جس میں ہوش و خرد کی نہ ہو کچھ خبر
میرے پیمانے میں جتنی ساقی نے دی اتنی کافی نہ تھی بے خودی کیلئے

شام تک بھی جو آ جائے بھولا ہوا اسکو بھولا ہوا تم نہ سمجھو کبھی
ایک بیمار مدت سے تھا مضطرب اب بھی آجاؤ چارہ گری کیلئے

ظلمتوں کا سدا سے مخالف ہوں میں روشنی سے ہے شاہد محبت مجھے !!
گر اسی سے گلستاں میں ہو روشنی گلستاں پھونک دوں روشنی کیلئے

(عبید [illegible])

(دوسری قسط)

نمودِ صبح

اشتراکیت Communism

یہ نظریہ کارل مارکس کی طرف منسوب ہے۔ مارکس نے اپنے افکار و نظریات کا ڈھانچہ ہیگل کے جنگ، تضاد اور تاریخ کے متعلق ارتقاء کے فلسفہ پر ہی کھڑا کیا ہے۔ مارکس یہ مانتا ہے کہ جب کوئی نظام اپنے انتہائی کمال کو پہنچ جاتا ہے تو اس کے اندر بعض مخالف قوتوں کا ظہور ہوتا ہے۔ رفتہ رفتہ وہ قوی سے قوی تر ہو جاتا ہے اور ایک دن پرانے نظام سے ان کی جنگ ہو جاتی ہے۔ چونکہ نیا نظام پرانے نظام کی بہ نسبت صالح، عمدہ اور ترقی پذیر ہوتا ہے۔

اور پرانے نظام کے صالح اجزاء بکھرے ہوئے اس میں موجود ہوتے ہیں۔ اسلئے نیا نظام حکمرانی کے منصب پر جلوہ گر ہوتا ہے لیکن جب یہ نظام بھی اپنے عروج و ارتقاء کی آخری منزل تک پہنچ جاتا ہے تو اس کے اندر سے باغی نظام ظہور پذیر ہوتا ہے اور وہ مروجہ نظام سے ٹکرا جاتا ہے۔ دونوں کی آویزش سے ایک نئی وحدت ظہور وجود میں آتی ہے جو پچھلے دونوں نظاموں کی بہ نسبت زیادہ جامع اور وسیع ہوتی ہے۔

لیکن اس کے بعد مارکس اس نظریہ کو زندگی کے مسائل پر دوسرے طریقے سے منطبق کرتا ہے جس کی وجہ سے ہیگل کا فلسفہ [illegible] ہو جاتا ہے۔ اور ذہن سے [illegible] ہیگل کے خلاف مارکس کہتا ہے [illegible] تک ہی محدود نہیں [illegible] ہوتا ہے۔ [illegible] جب انتہا کو پہنچ جاتا ہے [illegible] تو اس کے اندر سے [illegible] وجہ سے دیگر [illegible] اور تب وقت کے [illegible] یہ معاشی نظام پہلے [illegible] بہتر ہوتا ہے کیونکہ [illegible] رہتی ہیں پھر جب [illegible] پہنچ جاتا ہے تو مخالف قوتوں کا ظہور [illegible] تصادم ہو جاتا ہے [illegible] ہیگل نے افراد کی [illegible] رکھا تھا لیکن مارکس نے [illegible] زندگی اور اس کی معاشی تنظیم پر [illegible] ہیگل کے نزدیک اولیت فکر کو حاصل ہے [illegible] انسان کی ساری زندگی کو غالب [illegible] قرار دیا ہے۔ مارکس نے [illegible] انسان اپنی تاریخ آپ بناتا ہے" وہ مجبور

تصورات کا بازیچۂ اطفال نہیں کہ جس رنگ میں چاہیں اس کو ڈھال لیں۔ بلکہ افکار و تصورات انسان کے غلام ہیں اور تہذیب و تمدن، سیاست و معیشت، اخلاق و معاشرہ یہ سب زمانہ کے معاشی نظام میں ڈھل جاتے ہیں۔ اور رائج الوقت معاشی نظام کی بولی بولنے لگتے ہیں

چنانچہ مارکس کے افکار و تصورات کا محور معاش ہوتا۔ اسلئے اس نے انسانوں کی معاشی زندگی کو درست کرنے کے لئے اشتراکیت و اشتمالیت کا فلسفہ پیش کیا۔ اور اس مقصد کی کامیابی کی خاطر پوری تاریخ کو بدلنے کی کوشش کی۔ اس نے بتایا کہ تاریخ کی ساری کشمکش معاشی اسباب و محرکات سے پیدا ہوتی ہے۔ ملک گیری کی لڑائیاں، مذہبی اصولوں کی جنگیں اور ملک کے مختلف عناصر کی باہمی خانہ جنگیاں سبکی تہ میں معاشی اسباب کارفرما رہے ہیں۔ انسان کے ذہنی اور اخلاقی تصورات نہیں بلکہ اس کی مادی ضروریات سیاسی انقلابات کا اصلی سبب ہیں۔ اخلاقی تصورات اور سیاسی رجحانات معاشی نظریات کا آئینہ ہیں۔

ہیگل نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ انسان کے ذہنی اور معاشی ارتقاء میں انسان کے افکار و تصورات ہی اصل محرک ہوتے ہیں۔ خارجی ماحول تو بس ایک آئینہ کی حیثیت رکھتا ہے جس پر یہ عالم مطلق اپنے افکار کا جلوہ دیکھتا ہے لیکن مارکس نے ہیگل کے اس نظریہ کو مسترد کیا اور کہا کہ اصل اہمیت انسانی افکار کو نہیں بلکہ خود انسان کو حاصل ہے خارجی تصورات کے سامنے یہ تصورات بے بس ہوتے ہیں۔ ان تصورات کی تکمیل تو خارجی ماحول کے ہاتھوں ہوتی ہے وہ جدھر چاہتا ہے اس کو گھما دیتا ہے۔

اخلاق کے متعلق مارکس کا نظریہ یہ ہے کہ اخلاق یا مذہب نام کی مستقل کوئی چیز نہیں بلکہ جو معاشی نظام رائج ہوتا ہے اس سے ہم آہنگ ہو کر بعض اخلاقی قدریں بھی پرورش پاتی ہیں۔ ہر عمل کو اسی نسبت سے اچھا یا برا کہا جاتا ہے جس نسبت سے وہ رائج معاشی نظام کو فائدہ پہنچاتا ہے یا اس کی راہ کا روڑا بنتا ہے۔ یہ اخلاقی اصول کوئی مستقل اور دائمی قدر نہیں رکھتے بلکہ زمانے کے بدلنے کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ مارکس اس نظریہ کو تسلیم نہیں کرتا کہ اخلاقی اور مذہبی احکام افرادِ عام کی اساس پر مبنی ہوتے ہیں بلکہ وہ کہتا ہے کہ اخلاق کا دار و مدار معاشی نظام کی فلاح و بہبود پر ہے۔ ہر دور میں اخلاقی قدریں اچھی اور عمدہ مانی گئیں ہیں جو مروجہ معاشی نظام کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ یہ اصول ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں اس لئے مارکس کہتا ہے کہ دیکھو غلامی کے دور میں اطاعت و فرماں برداری اور عجز و انکساری کو اعلیٰ ترین اخلاق میں شمار کیا جاتا تھا لیکن نظام جاگیرداری میں اس کا دور تک پتہ نہیں بلکہ اس دور میں شجاعت، جاں نثاری اور بہادری کی بڑی قیمت تھی۔ نظام سرمایہ داری میں دور اندیشی، موقعہ شناسی اور مصلحت پسندی کو انسان کی اعلیٰ صفات میں مقام حاصل تھا۔ اشتراکیت میں دوستی، محبت اور قرابت، کاروباری مفاد اور تجارتی منافع پر بے تکلف جان کی قربانی محبوب ہے۔

فکری اور نظری کوتاہیاں

اضداد کے جس نظریہ پر مارکس ایمان رکھتا ہے وہ کتنا بے بنیاد اور کمزور ہے۔ مارکس نے لکھا ہے جب دو نظام ہائے حیات میں کشمکش برپا ہو جاتی ہے تو نیا معاشی نظام پرانے معاشی نظام کے صالح اجزاء اپنے اندر سمو لیتا ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو اس کا یہ طرزِ استدلال بالکل ہی احمقانہ ہے۔ تاریخ بھی مارکس کے اس نظریہ کا ساتھ نہیں دیتی۔ ہم دیکھتے

ہیں کہ دورِ غلامی کے بعد جاگیرداری کا آغاز آیا لیکن بجائے اس کے کہ وہ پرانے نظام کی خوبیوں کو اپنے اندر سموتا اس نے اس کے تمام شعبوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔ اسی طرح نظام جاگیرداری کے بعد سرمایہ داری کا نظریہ ابھرا۔ مارکسیت کے خیال کے مطابق تو پرانے نظام کے صالح اجزاء کی اس میں شرکت ضروری تھی لیکن ہم ایسی کوئی چیز نہیں پاتے جو نظام جاگیرداری سے مطابقت رکھتی۔ اسی نظام سرمایہ داری کے اندر مغربی تحریکیں جیسے جمہوریت، سوشلزم، کمیونزم جیسی تحریکیں پیدا ہوئیں ہیں۔ اور انھوں نے مکمل غلبہ حاصل کیا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ سرمایہ داری کی کوئی بھی خوبی ان تحریکوں میں نہیں پائی جاتی۔ بلکہ ایک ایک چیز کو جو نظام سرمایہ داری سے متعلق ہے، مٹایا جا رہا ہے۔ حتیٰ کہ مذہب و اخلاق نام کی کوئی چیز آج ان تحریکوں میں موجود نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی علمی و فکری تحریک کے بام عروج پر پہنچنے کے بعد جو مخالف رجحانات نمودار ہوتے ہیں تو ایسا نہیں ہوتا کہ وہ اس پرانی تحریک کے صالح اجزاء اپنے اندر سمو لیں بلکہ عموماً ہوتا یہ ہے کہ مخالف رجحانات قدیم نظام کی ہر ایک چیز کی بیخ و بُن سے اکھاڑ پھینکتے ہیں۔ اور اس تحریک کے عناصر سے بالکل تہی دامن نظر آتے ہیں۔

تاریخ کے متعلق مارکس کا جو نظریہ ہے وہ کس درجہ طفلانہ ہے۔ اس نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ تاریخ کے ارتقاء و تنزلی کا سبب معاش ہوا کرتا ہے۔ خود انسان کا تاریخ کے بنانے یا بگاڑنے میں کوئی ہاتھ نہیں ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ مشہور تاریخی شخصیتوں کی عظمت کا راز یہ تھا کہ وہ زمانہ کے میلانات کا رخ دیکھ کر کام کرتے تھے۔ انھوں نے ایسی تحریکوں کی زمام قیادت اپنے ہاتھ میں لی جو موجودہ معاشی نظام سے پیدا ہوتی تھیں۔ انھوں نے سب سے بڑا کام یہ کیا کہ عوام الناس کی قوتوں اور صلاحیتوں کو صحیح رخ پر لگا دیا۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ تاریخی واقعات و حوادث کے اسباب اتنے غیر مربوط ہوتے ہیں کہ ان کا تجزیہ کرنا اور ان کو ایک ہی لڑی میں پرونا ناممکن ہے۔ سیاسی سازشیں بغض و عناد، نفرت و محبت، مذہبی و تمدنی جذبات اسی طرح کی اور بہت سی چیزیں مل کر ارتقاء و انحطاط کا سبب بنتی ہیں۔ اسی طرح تاریخ شاہد ہے کہ واقعات کے بنانے، سنوارنے یا ان کی تخریب و تعمیر میں اونچی اور عظیم شخصیتوں کا بڑا ہاتھ رہا ہے۔ بارہا ایسا ہوا ہے کہ کوئی ملک کسی عظیم شخصیت کے نہ پانے کی وجہ سے شکست کھا گیا اور کوئی نسبتاً کمزور ملک عظیم شخصیت کے مالک ہونے اور قابلِ اعتماد جنرل مل جانے سے فوز و نصرت سے ہمکنار ہوا ہے

جنگ کے متعلق مارکس کا نظریہ یہ ہے:۔

انسان نے اس وقت تک جتنے معاشرے قائم کئے ان سب کی تاریخ طبقاتی نزاع کی تاریخ ہے۔ غلام اور آقا، امراء اور جمہور، سرمایہ دار اور مزدور مختصر یہ کہ ظالم اور مظلوم ہمیشہ ایک دوسرے کے مخالف اور باہم برسرِ پیکار رہے ہیں۔ یہ لڑائی صدیوں سے برابر مسلسل جاری ہے۔ کبھی اس کی آگ دھیمی پڑ جاتی ہے اور مخفی طور سے اندر ہی اندر سلگتی رہتی ہے اور کبھی اس کے شعلے بھڑک اٹھتے ہیں۔ پھر اس کا انجام یا تو یہ ہے کہ ایک انقلاب پورے معاشرے کو بدل ڈالتا ہے یا پھر دونوں برسرِ پیکار بالطبع بالکل مٹ جاتے ہیں

(از جنگ، مارکس اور اسلام)

یہ صحیح ہے کہ طبقاتی نزاع کو ایک اہم مقام حاصل ہے لیکن صرف اسی کو جنگ و پیکار نزاع کا سبب قرار دینا بے انصافی ہے۔ ایک غیر متعصب شخص اگر غور کرے گا تو

وہ دیکھے گا کہ بیشتر قدیم لڑائیوں میں قومی وطنی و نسلی تفاخر کے جذبات کارفرما تھے۔ ایک قبیلہ دوسرے قبیلے سے اپنی شجاعت وحماست کا لوہا منوانے کے لئے برسرپیکار ہو جاتا تھا۔ اور صدیوں تک یہ لڑائی جاری رہتی تھی اور پھر یہ بھی بات تو ہے کہ انسان فطرتاً جنگجو اور لڑاکا واقع ہوا ہے۔ وہ جب اپنے مقصد کی راہ میں کوئی رکاوٹ دیکھتا ہے تو اس کو اپنے رستے سے ہٹانے کے لئے ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔ محض معاشی یا طبقاتی کشمکش سے تاریخی جنگوں کی توجیہہ نہیں کی جاسکتی۔

مارکس کے نزدیک ہر دور کا فکری نظام مروجہ معاشی نظام سے وابستہ ہوتا ہے۔ اور یہی نہیں بلکہ تمام فکری تحریکات سیاسی و تمدنی مظاہر معاشی تبدیلیوں کا سبب ہوتے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا واقعی کسی پارٹی کے افکار و تصورات معاشی نظام سے وابستہ ہوتے ہیں؟ اور کیا ان افکار و تصورات کی حیثیت بس ایک بالائی عمارت کی ہوتی ہے جو معاشی نظام کی بنیادوں پر استوار ہوتی ہے۔

مارکس کہتا ہے کہ جب پیدائشِ دولت کی نئی قوتوں اور حالات پیداوار کے تصادم سے ایک نیا معاشی نظام وجود پذیر ہونے لگتا ہے تو انسان کی ذہنی زندگی میں اسی کے مطابق تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔ لیکن اگر ہم غور کریں تو ہم اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ پیداوار کی نئی قوتوں اور عقلی ترقیوں سے بہت گہرا تعلق ہے۔ نئی پیداواری قوتیں اس وقت تک وجود میں نہیں آسکتیں جب تک کہ عقل بھی اس ترقی کے معیار پر نہ پہنچ جائے۔ مثال کے طور پر جب انسان وحشیانہ زندگی گزار رہا تھا اور جنگلی پھلوں پر قناعت کیا کرتا تھا تو اگر اس وقت بھاپ کا پتہ چل جاتا تو کیا یہ ناممکن تھا کہ انسان اس سے فائدہ نہ اٹھا سکے؟

ہم ابھی ابھی اوپر لکھ چکے ہیں کہ ہیگل نے شعور پر

اپنے پیرو سے فلسفہ کی بنیاد رکھی تھی اور انسان کو محض آلۂ کار کی حیثیت سے تسلیم کیا تھا اور مارکس نے انسان اور خارجی ماحول پر اپنے فلسفہ کی بنیاد رکھی تھی اس نے بتایا کہ انسان افکار و تصورات کا غلام نہیں بلکہ افکار انسان کے غلام ہیں۔ تفوق تو انسان ہی کو حاصل ہے اس طرح انسان اپنی تاریخ بناتا ہے۔ لیکن وہ یہ بھی کہہ چکا ہے کہ بڑے سے بڑا انسان اپنے زمانے کی معاشی قوتوں سے تصادم نہیں کر سکتا وہ تو خارجی ماحول کا غلام ہوتا ہے۔ وہ ماحول کو اپنے افکار و تصورات میں ڈھالنے کے بجائے خود ان کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے۔ مروجہ معاشی نظام کے مطابق وہ سوچتا اور غور و فکر کرتا ہے اور اسی کے مطابق اپنا کام بھی کرتا ہے اب سوال یہ ہے کہ کیا انسان کی عظمت و رفعت کا راز اسی میں مضمر ہے کہ وہ اپنے ماحول پر اپنے افکار کی حکمرانی کرنے کے بجائے خود ماحول کے دھارے میں بہتا چلا جائے، کیا عظمت و عزیمت کی راہ یہی ہے کہ وہ ماحول کو اپنے رنگ میں رنگنے کے بجائے خود اسی کے رنگ میں ڈھل جائے؟ اور وہ ماحول کو اپنے افکار کے مطابق بھی نہ بنا سکے؟ کیا ایسی صورت میں یہ کہنا درست ہوگا کہ "انسان اپنی تاریخ آپ بناتا ہے"؟

بڑے آدمیوں کے بارے میں مارکس کا نظریہ یہ ہے کہ وہ اپنے ماحول کا پابند اور خارجی قوتوں کا تابع ہوتا ہے وہ ماحول کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا۔ اس کے اندر اگر کچھ کرنے کی استطاعت ہے تو صرف اتنا کہ انجام و عواقب پر غور کر کے اپنا کام شروع کر دے اور انسانوں کی ایک جماعت کو صحیح راہ پر لگا دے۔ اس سے زیادہ اس کے بس میں کچھ نہیں۔

لیکن عظمت تو اس میں ہے کہ انسان اپنے ماحول سے اثر لینے کے بجائے خود اس پر اثرانداز ہو۔

منفعلانہ جذبہ رکھنے کے بجائے فاعلانہ جذبہ رکھتا ہو، زمانہ سے بچھڑنے کے بدلے اس کو دینے کا مشتاق ہو، پھر جب تک انسان کی تسخیری صلاحیتیں ماحول پر غالب رہتی ہیں وہ عظیم درجہ ہوتا ہے۔ بڑے بڑے انسانوں کی عظمت کا راز یہی تھا کہ انھوں نے ماحول پر اپنا تصرف کیا۔ وہ ایام کا مرکب نہیں راکب بنے اور ماحول کی قوتوں کو اپنے تابع کر لیا اور ان کی نکیل اپنے مقصد کی منزل کی طرف موڑ دی۔ اگر مارکس کا یہ نظریہ صحیح مان لیا جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر مارکس لینن اور ان کے ساتھی تو زار کی حکومت میں پیدا ہوئے تھے اور انھوں نے غلامی اور مفلسی کی زندگی میں آنکھ کھولی تھی پھر زمانے کی مخالفت کیسے کی؟

روس کی لیبارٹری میں

یہ تو اس نظام کی نظری غلطیاں تھیں اب آئیے ہم دیکھیں کہ تجربہ گاہ روس میں اس کا کیا ردِ عمل رونما ہوا اور جس معاشرے کی تشکیل کے لئے سارے پاپڑ بیلے جا رہے تھے کیا وہ معاشرہ واقعی وجود میں آگیا؟ اور بے قید معیشت سے جو خرابیاں پیدا ہوئی تھیں کیا وہ دور ہو گئیں یا ان سے بدتر خرابیاں مول لینی پڑیں۔

غیر طبقاتی سماج ۱۹۱۹ء کا ذکر ہے کہ وولوگڈا شہر کے لال دستے کے کمانڈر نے پروفیسر ولو گلسکی کے دوسرے بستر کو ضبط کر لیا۔ پروفیسر مذکور نے لینن کو اس بات کی شکایت کرتے ہوئے لکھا کہ "کمانڈر نے یہ کہہ کر کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ ایک ہی بستر پر ہوتا ہے اس لئے اسے دوسرے بستر کی کیا ضرورت ہے ضبط کر لیا" لینن نے کمانڈر کے فعل کو درست قرار دیتے ہوئے جواب دیا "اس میں یہ شک نہیں کہ ایک دانشور کی یہ خواہش بالکل معقول اور جائز ہے کہ اس کے پاس دو بستر ہوں، ایک خود اس کے لیے دوسرا اس کی بیوی کے لئے۔ لیکن آج تک ایک عام روسی شہری ایک بستر سے بھی محروم رہا ہے۔"

اس دور میں مساوات کو مذہب کی حیثیت سے قبول کر لیا گیا ہے۔ انسانوں کے درمیان برابری کا رشتہ قائم کرنے کے لئے آخری حد تک کوششیں کی گئیں۔ برابری کا یہ تصور محض ایک ذہنی تصور نہیں تھا۔ یہ نظریہ محض روحانیت تک محدود نہ تھا بلکہ یہ تو انسانوں کی ایک ابتدائی خواہش کا اظہار تھا۔ جیسے ایک عظیم انقلاب نے جنم دیا تھا۔ مساوات کے راستے میں جو رکاوٹیں حائل تھیں ان کو مکمل طور پر بلا کسی تاخیر کے پاش پاش کر دینا چاہئے۔ تو یہ انقلاب کا روحانی تقاضا بھی تھا چنانچہ مکانوں، گرجوں اور آتشکدوں کی پامالی کی گئی اور ان کا بٹوارہ بھی کر دیا گیا۔ کسانوں نے جاگیرداروں کی جاگیروں کو آپس میں تقسیم کر لیا۔ کل کارخانوں پر مزدوروں نے قبضہ کر کے مالکوں کو گلی کوچوں میں آوارہ گردی کے لئے دھکیل دیا۔ بھوکے شہریوں نے قانون سے دیہاتوں میں جا کر تاجر کے گوداموں کو لوٹ لیا۔ فوج کے سپاہیوں نے افسروں کی وردیوں سے امتیازی نشان اتار کر پھاڑ دیئے۔ فوجیوں کی تمام درجہ بندی اڑا دی گئی تاکہ پرانے نظام کی برابری کا کوئی نشان نہ رہ جائے۔ تمام پرانے عناصر انقلاب کی آگ میں بھسم ہو گئے۔ پچھلے پرانے گھروں میں بھوکی شہزادیاں مزدوروں اور سوویٹ سرکار کے ملازموں کے دستر خوان بچھانے لگیں۔ شاہی خاندان کی دوشیزائیں گلیوں اور سڑکوں کو برف سے صاف کرتی ہوئی دیکھی گئیں۔

لیکن مساوات کا یہ جوش و خروش بہت جلد ٹھنڈا پڑ گیا۔ جب سنہ ۱۹۲۰ء کے بعد کے برسوں میں اقتصادی تعمیر کا دور شروع ہوا تو یہ محسوس کیا گیا کہ اس ظاہری

مساوات کو ہزاروں جگہوں پر ختم کئے بغیر ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھایا جا سکتا۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو روس میں اقتصادی ترقی ممکن نہ ہوگی۔ جب کسانوں کو کھلی منڈی میں اشیاء بیچنے کا حق دیا گیا تو آمدنیوں میں کافی امتیاز پیدا ہونے لگا۔ مزدوروں اور سرکاری ملازموں کے درمیان نابرابری ابھرنے لگی۔ اوپر سے "مساوات ۔۔۔ مردہ باد" کا نعرہ دیا گیا جس نے بھی اس نعرہ کی مخالفت کی اسے گولیوں سے اڑا دیا گیا۔ اسٹالن نے کئی بار یہ کہا کہ یہ کہنا بے ہودگی ہے کہ سکہ زر غیر ضروری ہے اور تجارت کا زمانہ اب ختم ہو چکا ہے۔ جب اس نے سماجی برابری کا نعرہ سنا تو اس نے اس کا تمسخر اڑا دیا۔

"یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ سوشلزم کا مطلب برابری سماج کے ممبروں کی ضرورت اور زندگی میں برابری ہے۔ یہ نعرے بائیں بازو کے مفلوج ذہن کے عام فریب زدہ تصورات ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ بائیں بازو کے ان مفلوج ذہنوں کی بچگانہ حرکات نے ہماری محنت کو کتنا بھاری نقصان پہنچایا ہے۔ یہ لوگ اس بات کے سمجھنے کے نا اہل ہیں کہ سوشلزم کے اصول پر چلنے والی اکائی کافی عرصہ تک ہمارے ساتھ چلے گی۔"

(اسٹالن جنوری ۱۹۳۴ء بحوالہ سوشلزم کی حقیقت اول)

بقیہ آئندہ

جامعہ کی خبریں

۵ر اکتوبر۔ امیر حلقہ یوپی جماعت اسلامی ہند جناب مولانا شفیع مونس صاحب جامعۃ الفلاح میں تشریف لائے۔ ناظم ڈویژن گورکھپور مولانا شبیر احمد صدیقی صاحب بھی ان کے ساتھ تھے۔ مولوی درجات کے ذمہ دار طلبہ اور اساتذہ کرام سے آپ نے ملاقات کی جامعہ کے مسائل سے واقفیت حاصل کرنے کی کوشش کی اور طلبہ کو اساتذہ کا احترام کرنے اور انکو اپنا روحانی باپ سمجھنے کی تلقین کی اور تعلیم و تربیت کی طرف پوری توجہ مبذول کرنے کی درخواست کی اور وعدہ کیا کہ انشاء اللہ پھر دوبارہ حاضر خدمت ہونا ہوگا۔ تمام طلبہ ان کی باتوں سے مسرور و مطمئن تھے۔

★ ★ ★

۱۳/۱۵ر اکتوبر۔ اسٹوڈنٹس اسلامک موومنٹ آف انڈیا کے مرکزی صدر جناب محمد [illegible] صاحب اور زونل صدر جناب شکیل احمد صاحب کانپور اور الٰہ آباد سے تشریف لائے اور دو دن تک یہاں قیام کیا جامعۃ الفلاح کے ایس آئی ایم کے صدر و شوریٰ اور دوسرے ممبران سے ملاقاتیں کیں۔ مختلف نشستوں میں ان سے مختلف موضوعات پر تبادلہ خیال کیا اور انہیں تعمیری انداز میں کام کرنے نیز اساتذہ و منتظمین سے بہترین تعلقات قائم رکھنے پر زور دیا۔ صدر مدرسہ جامعہ مولانا [illegible] اصلاحی سے بھی کافی دیر تک ان کی گفتگو رہی۔

★ ★ ★

۱۷ر اکتوبر۔ شیخ الازہر امام اکبر ڈاکٹر عبدالحلیم محمود کی اچانک موت پر تمام طلبہ و اساتذہ کی طرف سے گہرے درد و کرب اور افسوس و حسرت کا اظہار کیا گیا نیز نماز بعد ان کی مغفرت کے لئے اجتماعی طور سے دعائیں مانگی گئیں۔ مصری سفارت خانے ایک پیغام تعزیت روانہ کیا گیا اور بعد میں شیخ مرحوم کے

صاحبزادے جناب شیخ عبدالحلیم محمود صاحب کی خدمت اقدس میں اور مصری سفارت خانے کو دو تعزیت نامے ارسال کئے گئے جن میں امام اکبر کی موت کو عالم اسلام کا عظیم روح فرسا حادثہ قرار دیا گیا اور پسماندگان کو صبر جمیل کی وصیت وتلقین اور استقامت کی وصیت کی گئی ہے

فما كان قيس هلكه هلك واحد
ولكنه بنيان قوم تهدما

انتقال پر ملال

ہم نہایت رنج وغم کے ساتھ یہ خبر وحشت اثر دے رہے ہیں کہ مادر علمی جامعۃ الفلاح کے دیرینہ مبلغ مولانا محمد ایوب صاحب اصلاحی ۷؍ نومبر ۱۹۷۸ء جمعرات کی شام کو اپنے مالک حقیقی سے جا ملے انا للہ وانا الیہ راجعون

مولانا مرحوم کا وطن اعظم گڈھ ہی کا ایک موضع نیجر پار تھا۔ جامعۃ الفلاح سے آپ کا تعلق ابتداء ہی سے رہا۔ اس ادارہ علمیہ کی بے لوث خدمت میں آپ نے تقریباً ۱۶ برس بتائے اور زندگی کے آخری ایام تک اسی سے متعلق رہے۔

ہم اہل انجمن مرحوم کے لئے دست بدعا ہیں کہ اللہ تعالیٰ انھیں مغفرت کی چادر سے ڈھانک کر جنت الفردوس میں جگہ دے اور ہم پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے آمین

بقیہ صہ ۳۱

توجاں یہ پرچہ آپ کی فکری وتحریری صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کا ذریعہ ہوگا وہیں مدرسہ کی نیک نامی کا باعث ثابت ہوگا۔

میں آخر میں اس کی مجلس ادارت اور مرتب حضرات کو مبارکباد پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ آپ کی مساعی کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور آپ کو زیادہ سے زیادہ دین کی خدمت کرنے کی توفیق دے آمین

جناب حافظ ارشاد احمد صاحب
استاذ شعبۂ حفظ
جامعۃ الفلاح

گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے ترا
کہاں سے آئے صدا لا الہ الا اللہ
(اقبال)
ارسال: بلال ہندی ہاشم

مرسلہ: زبیر جمالی نیم

گاہے گاہے باز خواں

حکومت کے قیام کا اولین مقصد یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ انصاف کیا جائے۔ انصاف صرف دو متخاصم فریقوں کے درمیان صحیح فیصلہ کرنے کا ہی نام نہیں ہے بلکہ حقیقی انصاف یہ ہے کہ حاکم اپنے محکوم کے ساتھ برتاؤ کرنے میں حق کو ملحوظ رکھے اور جہاں خود اس کی ذاتی منفعت اور حاکمانہ وقار کا سوال ہو وہاں بھی قدرت واختیار رکھنے کے باوجود وہی فیصلہ کرے جو حق ہو۔ خواہ اس سے اس کی ذات کو نقصان پہونچے یا اس کے دوستوں اور عزیزوں کو۔

(مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ)

سب سے بڑی نیکی شریعت کی ترویج اور اس کے کسی حکم کو زندہ کرنے کی کوشش ہے خاص طور سے ایسے زمانے میں کہ اسلام کے شعائر منہدم ہوگئے ہوں اللہ کی راہ میں کروڑوں روپیہ صرف کرنا اس نیکی کے برابر نہیں ہوسکتا کہ کسی شرعی مسئلہ کو رواج دیا جائے۔

(مجدد الف ثانیؒ)

تاثرات

محترم قارئین!

حیات نو کی خوبیوں اور خامیوں سے ہمیں آگاہ کرنا آپ کا اخلاقی فریضہ ہے۔ امید ہے کہ آپ اپنے قیمتی آراء اور مشوروں سے ہمیں ضرور نوازتے رہیں گے ہم مولانا عبدالحکیم صاحب اور محترم حافظ ارشاد احمد صاحب کے شکرگزار ہیں جنہوں نے ہمیں اپنے قیمتی مشورے مرحمت فرمائے (ادارہ)

۱۔ یہ امر مسرت بخش ہے "حیات نو" کا نیا شمارہ پہلے سے بہتر ہے۔

۲۔ میرا خیال ہے کہ چند صفحات عمدہ اور اعلیٰ لٹریچر کے لئے رکھے جائیں۔ ملکی یا غیر ملکی رسائل کے اچھے مضامین یا ان کے انتخاب دیئے جائیں اس طرح پڑھنے والوں کی دلچسپی کے ساتھ رسالہ کا معیار بھی بلند ہوگا۔

مضامین اور مندرجات رسالہ میں کچھ مزید تنوع کی ضرورت ہے دینی مضامین کے سوا خالص ادبی و تاریخی تحقیق اور معلومات عامہ کی نوعیت کے مضامین بھی لئے جائیں سنجیدہ اور فکر انگیز سیاسی مضامین کو بھی جگہ دینی چاہیئے۔

۳۔ معیار طباعت کو ذرا اور بلند ہونا چاہیئے میری نظر میں علی گڑھ وغیرہ کے میگزین ہیں ان کی مقبولیت کے جہاں اور بہت سے وجوہ ہیں حسن طباعت بھی ایک چیز ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ حیات نو کا معیار طباعت خراب یا گھٹیا ہے میں نے عرض کیا کہ پہلے کے مقابلہ میں ہر پہلو سے نمایاں ترقی ہے میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں وہ کچھ اس طرح کی چیز ہے ؎

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں

مولانا عبدالحکیم ایم اے بی ایڈ
(استاد شعبہ تعلیمات جامعۃ الفلاح)

طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا آرگن "حیات نو" نظر نواز ہوا یوں تو اس کا ہر مضمون قابل تعریف ہے خصوصاً نمود صبح اور صبح آگئی تو مجھے بہت ہی پسند آیا اس سے آپ کی تحریکی اور تحریری صلاحیتوں کی پوری پوری ترجمانی اور عکاسی ہوتی ہے میرے نزدیک اس کی افادیت خواص تو خواص عوام میں بھی محسوس کی جائے گی بس ضرورت اس بات کی ہے کہ اسے مزید صفحات سے مزین و آراستہ کیا جائے اور معیار زیادہ سے زیادہ بلند کرنے کی کوشش کی جائے۔ طلبہ قدیم تک محدود رکھتے ہوئے مقبول عام بنانے کی ہر ممکن کوشش کی جائے۔

انشاء اللہ اگر ان باتوں کو ملحوظ نظر رکھا گیا

بقیہ ص

واعوہ خوفاً وطمعاً (اعراف ۵۶)

اور تم زمین میں اصلاح و درستگی اور صفائی و پاکیزگی کے بعد فساد و بگاڑ برپا نہ کرو۔ (یعنی نبی جو نظام صالح لیکر آیا ہے اس کے مقابلے میں تم اپنا نظام فاسد قائم کرنے کی کوشش مت کرو)
اس آیت میں صراحت سے یہ بات کہی گئی ہے کہ جو لوگ زمین میں کسی بھی غیر الٰہی نظام کو قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں دراصل وہی مفسد ہیں۔

سورہ محمد میں ہے:۔

فهل عسيتم ان توليتم ان تفسدوا في الارض وتقطعوا ارحامكم (۲۲)

اس میں منافقین کی روش پر تنقید کی گئی ہے جو ایک غلط جاہلی نظام کو برقرار رکھنے کیلئے کوشش کر رہے تھے انہیں مفسدین فی الارض کہا گیا ہے کیونکہ یہ ایک بے خدا نظام کے حامی تھے اور الٰہی نظام کے قیام میں ہر طرح کے روڑے اٹکا رہے تھے یہی لوگ ہیں جن کے بارے میں کہا گیا ہے:۔

واذا تولى سعى في الارض ليفسد فيها ويهلك الحرث والنسل والله لا يحب الفساد (بقرہ ۲۰۵)

ترجمہ: جب اسے اقتدار حاصل ہو جاتا تو زمین میں اس کی ساری دوڑ دھوپ اس لئے ہوتی ہے کہ فساد پھیلائے کھیتوں کو غارت کرے اور نسل انسانی کو تباہ کرے۔ حالانکہ اللہ (جسے وہ گواہ بنا رہا تھا) فساد کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔

نبی کی مجلس میں آ کر اپنے اخلاص فی الایمان کا دعوی کرتے ہیں اور نبی کی مجلس سے باہر جا کر منکر کا نظام کی قیادت کرنے والوں کے ساتھ مل کر کوشش کرتے ہیں کہ خدا کے احکام زمین میں باقی نہ رہیں غرض قرآن کریم میں غیر الٰہی نظام کو فاسد نظام کے لئے کوشش کرنے والوں کو مفسد کہا گیا ہے۔

اور ایسے ہی لوگوں کو طاغوت کہا گیا ہے۔ طاغوت ہر وہ شخص یا ادارہ یا نظام یا مملکت ہے جو خدا کی کلی اطاعت پر مبنی نہ ہو اسی طرح آج کے تمام لادینی نظام طاغوتی ہیں۔ جنہوں نے خدا کو اجتماعی زندگی کے تمام شعبوں سے بے دخل کر کے [illegible] دیا ہے۔

ان مندرجہ بالا آیتوں سے اچھی طرح واضح ہو گیا کہ فساد فی الارض کا کیا مفہوم ہے۔ لہٰذا اب ضرورت اس بات کی ہے کہ نظام باطل کے علمبرداروں کو جو دین کے معاملہ میں طرح طرح کی گل افشانیاں کر رہے ہیں اور فساد فی الارض کے موجب ہو رہے ہیں ان کو صحیح راستے کی دعوت دی جائے اور مضبوط و مستحکم دلائل و براہین سے نظریات باطلہ کی تردید کی جائے تاکہ ان پر صحیح راستہ واضح ہو جائے اور وہ منکرات سے بچ سکیں جو ان کو ہلاکت کی جانب لے جا رہی ہیں۔
وما كنا لنهتدي لولا ان هدانا الله۔ والله المستعان ونعم المولى ونعم النصير ۝

★ ★ ★

([illegible])

عورتوں کا غلبہ

روس میں سپریم سوویٹ میں ۴۶۳ ڈپٹی عورتیں ہیں تمام ملازمتوں کا ۵۴ فیصد عورتوں کے پاس ہے دستی کاموں اور تعمیراتی کاموں کا جو اسپیشلسٹ ہیں ان میں سے نصف فیصد عورتیں ہیں [illegible] دو لاکھ سے اوپر عورتیں [illegible] ہیں۔ [illegible] عورتوں کو سائنس اور آرٹ میں نام پیدا کرنے پر [illegible] اور نمایاں [illegible] ہیں۔

([illegible])